بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابوبکر بن ابی عاصم رحمہ اللہ (م۲۸۷) فرماتے ہیں:

''مجھ سے سوال ہوا ہے کہ سنت کیا ہے؟ سنت ایک جامع نام ہے، جو بہت سے معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، وہ معانی جو اہل علم نے بالاتفاق سنت کے کیے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

۱☆ تقدیر کا اثبات ۔۲☆ فعل کی استطاعت فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے ۔۳☆ اچھی بری تقدیر پر ایمان ۔۴☆ ہر مطیع کی اطاعت توفیقِ الٰہی کی مرہونِ منت ہے اور ہر گناہ گار کی معصیت اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے ۔۵☆ نیک بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیرِ الٰہی میں) خوش بختی مل گئی ہے اور بد بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیرِ الٰہی میں) بد بختی مل گئی ہے ۔۶☆ کائنات کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیئت سے خارج نہیں ۔۷☆ بندوں کے اچھے اور برے کام ان کے فعل ہیں اور خالقِ کائنات کی مخلوق ہیں ۔۸☆ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی کلام ہے، مخلوق نہیں، جو دلیل مل جانے کے بعد بھی اسے مخلوق سمجھے، وہ کافر ہے ۔ ۹☆ ایمان (زبان کے) قول اور (دل اور اعضاء کے) عمل کا نام ہے، اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے ۔ ۱۰☆ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا اثبات کہ مؤمن آخرت میں حقیقی طور پر اسے دیکھ سکیں گے، جیسا کہ احادیث میں بیان ہے ۔۱۱☆ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب سے افضل ہیں، خلیفۂ راشد ہیں اور صحابۂ کرام میں سے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، اسی طرح ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ ہے، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں ۔۱۲☆ عذابِ قبر ۱۳☆ منکر نکیر ۱۴☆ شفاعت ۱۵☆ حوضِ کوثر اور ۱۶☆ میزان (ان سب چیزوں کو برحق سمجھنا اور ان پر ایمان لانا) ۔۱۷☆ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت، ان کے فضائل ومناقب کا اعتراف اور ان کی ذات وخلافت پر طعن وتشنیع سے اجتناب ۔۱۸☆ فوت ہونے والے مؤحدین کا جنازہ ۔۱۹☆ گناہ گار مؤحدین کے لیے دعائے رحمت اور ان کی بخشش کی امید ۔۲۰☆ وعید کو چھوڑ کر بندوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔

(السنۃ لابن ابی عاصم : ۱۰۲۷۔۱۰۳۲)

عیدِ میلاد کی شرعی حیثیت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

مروّجہ جشنِ عیدِ میلادِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں، اس کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں ہوئی، سب سے پہلے مصر میں نام نہاد فاطمی شیعوں نے یہ جشن منایا۔(الخطط للمقریزی: ۱/ ۴۹۰وغیرہ)

نبی کے یومِ ولادت کو یومِ عید قرار دینا عیسائیوں کا وطیرہ ہے، مروّجہ عیدِ میلادِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدِ میلادِ عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بدعتِ سیئہ ہے، جبکہ کفار کی مشابہت اور ان کی رسومات پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

صحابۂ کرام کے زمانہ بلکہ تینوں زمانوں میں اس کا وجود نہیں ملتا، بعد کی ایجاد ہے۔

جناب احمد یار خاں نعیمی بریلوی صاحب نقل کرتے ہیں: **لم یفعله أحد من القرون الثّلاثة اِنّما حدث بعدہٗ.** میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا، بعد میں ایجاد ہوا۔'' (جاء الحق: ۱/ ۲۳۶)

جناب غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب یوں اعترافِ حقیقت کرتے ہیں: ''سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین نے محافلِ میلاد نہیں منعقد کیں بجا ہے۔'' (شرح صحیح مسلم :۳/ ۱۷۹)

جناب عبدالسمیع رامپوری بریلوی لکھتے ہیں: ''یہ سامان فرحت و سرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔'' (انوارِ ساطعہ:۱۵۹)

اہلِ بدعت علی الاعلان تسلیم کر رہے ہیں کہ صحابہ و تابعین نے یہ جشن نہیں منایا، ہم بھی یہی کہتے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ اس فعل سے منع بھی تو نہیں کیا، یہ سراسر جہالت اور سنت دشمنی کی دلیل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعمتِ عظمیٰ ہیں، اس نعمت کی قدر آپ کی اطاعت و اتّباع اور آپ کی سنّتوں سے محبت میں ہے، نہ کہ دینِ حق میں بدعات و خرافات جاری کرنے میں۔

شبہ نمبر ۱:

اہلِ بدعت بدعات کی آڑ میں قرآن پاک میں معنوی تحریف کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا**﴾ (یونس :۵۸)

''کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی بنا پر لوگ خوش ہو جائیں۔''

بدعتی ترجمہ یہ ہے: ''اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔'' حالانکہ '' فَرِحَ '' کا معنی خوش ہونا یا خوشی محسوس کرنا ہوتا ہے، نہ کہ خوشی منانا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ (التوبة:٨١)

''(غزوہ تبوک سے) پیچھے رہ جانے والے (منافقین) خوش ہوئے۔''

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے خوشی منائی تھی؟

صحیح بخاری (۱۹۱۵) میں ہے کہ جب سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۸۷) نازل ہوئی فـفـرحـوا بهـا فـرحـا شديداً ''اس پر صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔'' کیا صحابہ کرام نے خوشی منائی اور جلوس نکالا؟

شبہ نمبر ۲:

سیّدنا معاویہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ایک حلقے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، کیسے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: جلسنا ندعو الله و نحمده على ما هدانا لدينه و منّ علينا بك . ''ہم بیٹھ کر اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس نے ہمیں جو ہدایت دی ہے اور آپ کی صورت میں ہم پر جو احسان کیا ہے، اس پر اسکی تعریف کر رہے ہیں۔''

(مسند الامام أحمد :٤ /٩٢، سنن نسائی :٥٤٢٨، جامع ترمذی:٣٣٧٩، وسندهٔ حسن)

اہلِ بدعت کا اس حدیث سے مروّجہ جشنِ عیدِ میلاد کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں، کسی ثقہ امام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں کیا، اس حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا وہ حلقہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اسکی تعریف بیان کر رہا تھا اور دعا کر رہا تھا، نہ کہ بدعتیوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو جشن منا رہا تھا، اس پر سہاگہ یہ کہ اکابر اہلِ بدعت کو اعتراف ہے کہ تینوں زمانوں میں میلاد کسی نے نہ منایا، بعد میں ایجاد ہوا، متعدّد علماء نے اس جشن کو بدعتِ مذمومہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے المدخل :٢ /٢٢٩، ٢٣٤، الحاوی للفتاوی :١ /١٩٠۔١٩١)

شبہ نمبر ۳:

احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

''عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی ﴿رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا﴾ (المائدہ : ۱۱۴) معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا۔''

(جاء الحق :١ /٢٣١)

یہ کس آیت یا حدیث کا معنی ومفہوم ہے؟ آیتِ کریمہ کا ترجمہ تو یہ ہے:

''اے ہمارے رب! ہم پر کھانا نازل فرما جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے باعثِ خوشی ہو جائے۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ کھانا ہمارے لیے خوشی کا باعث ہو، نہ کہ وہ دن جس دن کھانا اتارا جائے، لہٰذا نعیمی صاحب کا یہ کہنا ''معلوم ہوا کہ مائدہ کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا'' بے دلیل اور بے ثبوت ہے، جو کہ قرآنِ مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

شبه نمبر ٤:

قال عروة وثويبة مولاة لأبى لهب ، كان أبو لهب أعتقها فأرضعت النّبىّ ، فلمّا مات أبو لهب أريه بعض أهله بشر حيبة ، قال له : ماذا لقيت ؟ قال أبو لهب : لم ألق بعدكم غير أنّى سقيت فى هذه بعتاقتى ثويبة .

''عروہ بن زبیر تابعی کا بیان ہے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی، ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا، اس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، جب ابولہب مرا تو اس کے بعد اہل خانہ کو برے حال میں دکھایا گیا، اس نے اس (ابولہب) سے پوچھا، تو نے کیا پایا ہے؟ ابولہب بولا کہ تمہارے بعد میں نے کوئی راحت نہیں پائی، ماسوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے اس (انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کے درمیان گڑھے) سے پلایا جاتا ہوں۔'' (صحیح بخاری: ۲/ ۷٦٤، تحت حدیث: ۵۱۰۱، نصب الرایة: ۳/ ١٦٨)

۱☆ یہ عروہ بن زبیر تابعی کا قول ہے، جو مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف و نا قابل استدلال ہے، حیرانی اس بات پر ہے کہ جو لوگ عقائد میں خبرِ واحد کو حجت نہیں مانتے، وہ تابعی کے اس ''ضعیف'' قول کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

۲☆ ایک کافر کے بعض اہل خانہ کے خواب کا کیا اعتبار؟

۳☆ یہ خواب نصِ قرآنی کے خلاف ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ‎﴿۱﴾‏ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾ (اللهب: ۱۔۲)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا، اسے اس کے مال اور اعمال نے کچھ فائدہ نہ دیا۔''

۴☆ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وجہ سے آزاد کیا تھا کہ اس نے ابولہب کو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تھی، اس کے باوجود احمد یار خاں نعیمی بریلوی صاحب یوں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں:

''بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا، اس کی لونڈی ثویبہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم، اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے۔'' (جاء الحق: ۱/ ۲۳۵)

نامعلوم بریلوی عوام اتنے بڑے بڑے جھوٹوں پر کیسے ایمان لے آتے ہیں؟

یومِ وفات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت باسعادت میں اختلاف ہے، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دس محرم کو ہوئی ہے۔'' (غنیة الطّالبین :۳۹۲/۲،طبع بیروت)

ہمیں اس اختلاف سے کوئی سروکار نہیں، دیکھنا صرف یہ ہے کہ جو لوگ بارہ ربیع الاول کو جشنِ میلادِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں، ان کے نزدیک آپ کی تاریخِ وفات کونسی ہے؟

جناب احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کو ہے اور اسی میں وفات شریف ہے۔'' (ملفوظات:۲/ ۲۲۰)

معلوم ہوا کہ بریلویت کے امام احمد رضا خاں کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے، کچھ عرصہ پہلے یہ لوگ بارہ ربیع الاول کو ''بارہ وفات'' کہہ کر پکارتے تھے اور ختم دلواتے تھے، بڑی عجیب بات ہے کہ آج یہی لوگ اس دن کو عیدِ میلادِ النبی کا جشن مناتے ہیں، کتنا تضاد ہے ان کے آج اور کل میں؟؟

بارہ ربیع الاول کو صحابہ کرام کی غم کے مارے کیا حالت تھی، اس کا کچھ اندازہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے، فرماتے ہیں:

لمّا کان الیوم الّذی دخل فیه رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم المدینة ، أضاء منها کلّ شییءٍ، فلمّا کا ن الیوم الّذی مات فیه ، أظلم منها کلّ شییءٍ .

''جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں (ہجرت فرما کر) تشریف لائے تھے، اس کی ہر چیز (خوشی سے) چمک اٹھی تھی اور جس دن آپ نے وفات پائی، اس کی ہر چیز (غم سے) اندھیری ہوگئی تھی۔''

(مسند الامام أحمد:۳ /۲۲۱، ۲۶۸، جامع ترمذی: ۳۶۱۸، سنن ابن ماجه: ۱۶۳۱، وسندہٗ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی، امام ابن حبان (۶۶۳۴) نے ''صحیح'' اور امام حاکم (۵۷/۳) نے امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری و بہادر انسان نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرتِ آیات کا سن کر شدتِ غم میں گھٹنوں کے بل گر گئے تھے۔(صحیح بخاری :٤٤٥٤)

مگر افسوس ہے ان خواہشات پرستوں اور پیٹ کے پجاریوں پر، جنہیں صحابہ کرام اور اہلِ بیت کی اس پریشانی کا احساس تک نہیں ہوا، اس دن کو اپنی شکم پروری کا ذریعہ بنا کر گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اچھلتے، کودتے، دھمال ڈالتے، دیگیں پکاتے اور خوشیاں مناتے نظر آتے ہیں!!!

ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

اس بدعتِ عیدِ میلاد کے تحت بے شمار بدعات، خرافات، ہفوات، ترہات، بیسیوں محرّمات اور منکرات نے جنم لے لیا ہے، جیسا کہ روضۂ رسول کی شبیہ بنانا، شرکیہ نعتیں پڑھنا، مجلس کے آخر میں قیام اس عقیدت کے تحت کرنا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں خود حاضر ہوتے ہیں، (العیاذ باللہ)، شیرینی تقسیم کرنا، دیگیں پکانا، دروازے اور پہاڑیاں بنانا، عمارتوں پر چراغاں کرنا، جھنڈیاں لگانا، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریفیں کی تصویر بنانا، مخصوص لباس پہننا، تصویریں اتارنا، رقص و وجد کا اہتمام کرنا، شب بیداری کرنا، اجتماعی نوافل، اجتماعی روزے، اجتماعی قرآن خوانی، عورتوں مردوں کا اختلاط، نوجوان لڑکوں کا جلوس میں شرکت کرنا اور عورتوں کا ان کو دیکھنا، آتش بازی، مشعل بردار جلوس، جو کہ عیسائیوں کا وطیرہ ہے، گانے بجانے، فحاشی وعریانی، فسق و فجور، دکھاوا اور ریا کاری، من گھڑت قصے کہانیوں اور جھوٹی روایات کا بیان، انبیاء، ملائکہ، صحابہ کرام کے بارے میں شرکیہ اور کفریہ عقیدے کا اظہار، قوالی، لہو ولعب، مال و دولت اور وقت کا ضیاع وغیرہ، بلکہ اب تو ان پروگراموں میں بدامنی، لڑائی جھگڑا، قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ بدعتِ قبیحہ، ضلالہ اور سیّئہ، کم علم، جاہل اور بدعتی ملاّؤں کی شکم پروری کا بہت بڑا ذریعہ ہے، جو اس بدعت کی آڑ میں اپنے مذہبی تعصب، باطل نظریات کا اظہار کرتے ہیں، تکفیر و تفسیق، فتوی بازی، گالی گلوچ اور بکواسات کا بازار گرم کرتے ہیں، وہ اس بدعت کو کفر اور اسلام کا معیار سمجھتے ہوئے اس پر عمل نہ کرنے والوں کو ابلیس کہتے ہیں، موحدین کی مساجد کے سامنے نعرہ بازی، شور وغل، ہنگامہ آرائی اور اپنے انتقامی جذبات کی

تسکین بھی اسی بہانہ سے کرتے ہیں۔

حکومت اور مروجہ عیدِ میلادِ النبی

واضح رہے کہ اربل میں اس بدعت سیئہ، قبیحہ اور مذمومہ کے موجد بادشاہ نے اس کو سیاسۃً رائج کیا تھا اور ہماری حکومت کی نفاق پر مبنی یہی پالیسی ہے کہ ایک طرف تو فرقہ بندی، گروہ بندی کو ناپسند کرتی ہے اور دوسری طرف فرقہ بندی کو ہوا دینے کے لیے بہت سی قومی دولت لٹا دیتی ہے، بلکہ یہ بدعت حکومت کی پشت پناہی میں ہو رہی ہے، سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا ہے، باقاعدہ اس کو سرکاری سطح پر منایا جاتا ہے، حالانکہ ان حکمرانوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر ہم اپنے اکابر اور اسلاف کے یوم پیدائش کو سرکاری سطح پر منانا شروع کر دیں، تو شاید ہی کوئی دن ایسا ہو، جس میں عیدِ میلاد اور ''عرس شریف'' نہ ہو، پھر اس بدعت کی باقاعدہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں تشہیر کی جاتی ہے، بڑے بڑے سرکاری اداروں میں عورتوں کے بھی پروگرام مرتب کئے جاتے ہیں، دوسرے دن اخبارات میں ان پروگراموں میں شریک ہونے والی نوجوان لڑکیوں کی تصاویر بھی چھپتی ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

اعتذار

السنة شمارہ نمبر ۴، صفحہ نمبر ۹ پر ''گھوڑی پر سوار تھا'' کے بجائے ''اونٹنی پر سوار تھا'' کمپوزنگ کی غلطی سے چھپ گیا ہے، قارئین تصحیح فرمالیں۔ ناشر

☆☆..........☆☆..........☆☆

مصیبت زدہ یا مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے

جو کوئی مصیبت زدہ یا مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری، خواہ وہ کوئی بھی ہو، سے بچا لیتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلٰى بِهٖ هٰذَا وَفَضَّلَنِیْ عَلَيْهِ وَعَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلاً .

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے اس (مرض) سے عافیت بخشی، جس میں اسے مبتلا کیا، نیز مجھے اس پر اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فضیلت عنائت فرمائی۔''

(الدعاء للطبرانی: ۷۹۸، حلیة الأولیاء لأبی نعیم: ج:۵ص: ۱۳۔۱۴، وسندہٗ حسن)

ردِّ بدعات

غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

دینِ اسلام مکمل و اکمل دین ہے، اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین کا مژدہ سنایا ہے، اس نے اپنے بندوں کی تنصیصاً و تعلیلاً احکامِ شرعیہ میں رہنمائی فرمادی ہے، اب دین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات و ارشادات کا نام ہے، اعمال کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط قرآن و سنت کی پیروی ہے، جیسا کہ نافع سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینک لگائی، کہا، **الحمدللّٰہ و السّلام علی رسول اللّٰہ** . (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو)، ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، میں بھی اللہ کی تعریف کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں، لیکن (اس موقع پر) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں سکھایا، بلکہ آپ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے:

الحمد للّٰہ علی کلّ حال . ''ہر حال میں ساری کی ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔''

(سنن ترمذی : ۲۷۳۸، مسند الحارث (بغیة الباحث : ۸۰۷)، المستدرك للحاكم : ٤ /۲٦٥۔۲٦٦، شعب الایمان للبیهقی : ۸۸۸٤ ، وسندہٗ حسن)

امام حاکم نے اس حدیث کو ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے ''صحیح'' کہا ہے، اس کے راوی الحضرمی من آل الجارود کو امام ابن حبان نے ''ثقہ'' کہا ہے، امام حاکم نے اس کی حدیث کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے، یہ توثیق ہے، حافظ ذہبی نے ''صدوق'' کہا ہے۔ (الکاشف)

مستدرک حاکم میں الحضرمی بن لاحق چھپ گیا ہے، یہ وہم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت کی پیروی ضروری ہے، کمی بیشی ناجائز ہے، اس سے نیک کام بدعت بن جاتا ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یستقیم قول الّا بعمل ، ولا یستقیم قول وعمل الّا بنیة ، ولا یستقیم قول وعمل ونیّة الّا بموافقة السّنّة .

''کوئی قول عمل کے بغیر درست نہیں، کوئی قول و عمل نیت کے بغیر درست نہیں اور کوئی قول و عمل و نیت سنت

کی موافقت کے بغیر درست نہیں۔'' (حلية الاولياء لابی نعيم : ۳۲/۷، وسندهٗ حسن)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے پہلے علماء کہا کرتے تھے:

الاعتصام بالسّنة نجاة . ''سنت کو مضبوطی سے پکڑنا نجات ہے۔'' (سنن الدارمی : ۹۷، وسندهٗ صحيح)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من رغب عن سنّتی فليس منّی . ''جس نے میری سنت سے منہ موڑا، وہ میرے طریقے پر نہیں ہے۔''

(صحيح ابن خزيمة : ۱۹۷، وسندهٗ صحيح)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

البدعة أحبّ الی ابليس من المعصية ، المعصية يتاب منها و البدعة لا يتاب منها .

''بدعت شیطان کو اللہ کی نافرمانی سے زیادہ محبوب ہوتی ہے، گناہ سے تو توبہ کر لی جاتی ہے، لیکن بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔'' (مسند علی بن الجعد : ۱۸۰۹، وسندهٗ حسن)

۱☆ امام عینی حنفی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

وهی ما لم يكن له أصل فی الكتاب والسّنة وقيل اظهار شئ لم يكن فی عهد رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم ولا فی زمن الصّحابة رضی اللّٰه عنهم .

''بدعت دین میں ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں، جس کی اصل کتاب وسنت میں نہ ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسی چیز کا اظہار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ ہو۔''

(عمدة القاری فی شرح صحيح البخاری : ۲۵ /۳۷)

۲☆ محقق شاطبی نقل کرتے ہیں: **طريقة فی الدّين مخترعةٌ تضاهی الشّريعة يقصد بالسّلوک عليها المبالغة فی التّعبد للّٰه سبحانه .**

''بدعت دین میں اپنی طرف سے نکالے گئے ایسے طریقے کا نام ہے، جو شریعتِ الٰہی کے مشابہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔'' (الاعتصام : ۱ /۳۰)

۳☆ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

انّ البدعة هی : الدّين الّذی لم يأمر اللّٰه به و رسوله ، فمن دان دينا لم يأمر اللّٰه ورسوله به فهو مبتدع بذٰلک ، وهٰذا معنیٰ قوله تعالیٰ : ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰه﴾ (الشوریٰ : ۲۱)

’’بدعت وہ دین ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا، جس نے ایسا دین اختیار کیا، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا، وہ بدعتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی معنیٰ ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾(الشوریٰ: ٢١)

’’کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں، جنہوں نے ان کے لیے وہ دین مقرر کیا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا؟‘‘ (الاستقامة: ١/ ٥)

نیز فرماتے ہیں:

فانّ البدعة ما لم يشرعه اللّٰه من الدّين فكلّ من دان الشّيء لم يشرعه اللّٰه فذٰلک بدعة وان كان متأوّلا فيه .

’’بدعت وہ دینی طریقہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیا، سو ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہ کیا ہو، وہ بدعت ہے، اگرچہ بدعتی اس میں تاویل ہی کرے۔‘‘ (الاستقامة: ١/ ٤٢)

☆۴ حافظ ابنِ رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والمراد بالبدعة ما أحدث ممّا لا أصل له في الشّريعة يدلّ عليه وامّا ما كان له أصل من الشّرع يدلّ عليه فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعةً لغةً .

’’بدعت سے مراد وہ چیز ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل و دلیل نہ ہو، ہاں! جس کی شریعت میں اصل و دلیل موجود ہو، شرعی بدعت نہیں، اگرچہ لغوی اعتبار سے بدعت ہو۔‘‘ (جامع العلوم والحکم: ١٩٣)

بدعت کی تقسیم

ہر بدعت سیئہ ہے، کوئی بدعت حسنہ نہیں۔

دلیل نمبر ۱ :

جس کام کی اصل کتاب وسنت اور اجماعِ امت میں نہ ہو، وہ بدعت ہے، بے اصل اور بے ثبوت کام کی تقسیم سیئہ اور حسنہ کے اعتبار سے کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

دلیل نمبر ۲ :

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾(النحل: ١١٦)

''کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو، تا کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ویدخل فی هٰذا کلّ من ابتدع بدعةً لیس له فیها مستند شرعیّ او حلّل شیئاً ممّا حرّم اللّٰه أو حرّم شیئاً ممّا أباح اللّٰه بمجرّد رأیه وتشهیهه.

''ہر بدعتی اس حکم میں داخل ہے، جس نے بدعت جاری کی، جبکہ اس کے پاس اس بدعت پر شرعی ثبوت و دلیل نہیں ہے، یا جس نے محض اپنی رائے اور نفسانی خواہش سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا۔''(تفسیر ابن کثیر :٢/ ٧٧٩)

جب ہر بدعتی بدعت جاری کر کے اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، تو ثابت ہوا کہ ہر بدعت حقیقت میں اللہ پر جھوٹ ہے، تو اس کی تقسیم کا کیا معنی؟

دلیل نمبر ٣ :

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(البقرة : ٨٠)

''انہوں نے کہا کہ ہمیں معدودے چند دن آگ جلائے گی، کہہ دیں کہ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے، پھر تو وہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، یا تم بغیر علم کے اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی احکام و مسائل میں بغیر دلیل کے بات کرنا اللہ پر بہتان و افترا ہے، بدعتی بغیر دلیل شرعی کے دین میں بدعت جاری کرتا ہے، تو ہر بدعت اللہ پر جھوٹ ہے، بدعتی اللہ پر بہتان اور افترا باندھتا ہے لہٰذا بدعت کی تقسیم صحیح نہیں۔

دلیل نمبر ٤ :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾(النساء:١٧١)

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔''

اس آیت کریمہ میں ''غلوّ فی الدین'' سے منع کیا گیا ہے، بدعتی اللہ کے دین پر راضی نہیں ہوتا، اس میں نئی نئی چیزیں داخل کر کے اضافہ کرتا ہے، ہر بدعت کا منشاء دین میں غلوّ کرنا ہے، لہٰذا اس کی تقسیم کیونکر صحیح ہوگی؟

دلیل نمبر ۵ :

ہر بدعت مذمومہ اور سیئہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وشرّ الأمور محدثاتها وكلّ بدعة ضلالةٌ . ''اور برے ترین اعمال بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (صحیح مسلم :٤٣/ ٨٦٧)

دلیل نمبر ٦ :

نیز فرمایا: **من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ.**

''جو شخص ہمارے دین میں ایسا کام جاری کرے، جس کی اصل اس (کتاب وسنت واجماع) میں نہ ہو، وہ باطل ہے۔'' (صحیح بخاری:٢٦٩٧،صحیح مسلم :١٧ /١٧١٨)

جو عمل کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت نہ ہو، وہ بدعت ہے اور باطل ہے۔ باطل کو سیئہ اور حسنہ میں تقسیم کرنا اہل ایمان اور اہل عقل کا وطیرہ نہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انّ المحافظة على عموم قول النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((كلّ بدعة ضلالة)) متعيّن ، وانّه يجب العمل بعمومه ، وانّ من أخذ يصنّف البدع الىٰ حسن وقبيح ، ويجعل ذٰلک ذريعة الىٰ أن لا يحتجّ بالبدعة على النّهى فقد أخطأ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی فرمان **كلّ بدعة ضلالة** کی پابندی ضروری ہے اور اس کے عموم پر عمل کرنا واجب ہے، جس نے بدعات کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کیا اور اس تقسیم کو اس بات کی طرف ذریعہ بنایا کہ اس کی بدعت پر نہی کو دلیل نہ بنایا جائے، وہ خطا کار ہے۔'' (مجموع الفتاوٰی : ١٠ /٣٧٠-٣٧١)

دلیل نمبر ۷ :

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **كلّ بدعة ضلالةٌ ، وان رآها النّاس حسنةً .**

''ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اسے 'بدعت حسنہ' سمجھتے پھریں۔''

(السّنة لمحمّد بن نصر المروزيّ:ص٢٤،سندهٔ صحيح)

جلیل القدر صحابی ہر بدعت کو گمراہی قرار دے رہے ہیں اور صاف بتا رہے ہیں کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں، اس کے باوجود مصر ہیں کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔

دلیل نمبر ۸ :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **وایّای والبدعة فی دین اللّٰہ .** ''اللہ کے دین میں بدعات جاری کرنے سے بچیں۔'' (البدع والنّهی عنها لمحمّد بن وضّاح القرطبی :۷۵، سندهٗ صحیح)

جلیل القدر صحابی مطلق طور پر بدعات سے منع کر رہے ہیں، لہٰذا ہر بدعت ممنوع ہے۔

دلیل نمبر ۹ :

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات اپنے خطبہ میں فرماتے تھے: **وکلّ محدثة بدعة ، وکلّ بدعة ضلالةٌ ، وشرّ الأمور محدثاتها .** ''(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور بدترین اعمال بدعات ہیں۔'' (البدع و النّهی عنها: ٦١، وسندهٗ صحیح)

جب ہر بدعت گمراہی ہے، گمراہی کو حسنہ کہنے کا کیا مطلب؟

دلیل نمبر ۱۰ :

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **فایّاکم وما ابتدع ، فانّ ما ابتدع ضلالةٌ .** ''بدعتوں سے بچو، کیونکہ بدعت گمراہی ہے۔'' (سنن ابی داوٗد : ٤٦١١، حلیة الاولیاء لابی نعیم : ١/ ٢٣٣، المستدرك للحاكم : ٤٧٠/٣، ٤٦٦/ ٤، وسندهٗ صحیح)

امام حاکم نے اس قول کو امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

صحابئ رسول ہر بدعت کو ضلالت قرار دے رہے ہیں، لہذا کوئی بدعت حسن اور خوبی والی نہیں ہوتی

دلیل نمبر ۱۱ :

محقق شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **اجماع السّلف الصّالح من الصّحابة والتّابعین من یلیهم علیٰ ذمّها کذٰلک ، وتقبیحها والهروب عنها وعمّن اتّسم بشیء منها ، ولم یقع فی ذٰلک منهم توقّف ولا مثنویّة فهو بحسب الاستقراء اجماع ثابتٌ تدلّ علیٰ أنّ کلّ بدعة لیست بحقّ ، بل هی من الباطل .** ''سلف صالحین صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کا بدعت اور بدعتی کی مذمت، قباحت، اس سے بچاؤ پر اجماع ہے، ان سے اس بارے میں کوئی توقف یا استثناء واقع نہیں ہوئی، ہماری تحقیق

کے مطابق اس بات پر اجماع ثابت ہے کہ ہر بدعت ناحق ہے، بلکہ باطل ہے۔'' (الاعتصام: ۱/ ۱۴۷)

ناحق اور باطل چیز کی تقسیم سیئہ اور حسنہ کے لحاظ سے صحیح نہیں۔

دلیل نمبر ۱۲ :

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید: ۲۷)

''(عیسائیوں نے دین میں) رہبانیت (فقیری کی) بدعت نکالی، ہم نے ان پر یہ بدعت فرض نہیں کی (یعنی انہوں نے یہ بدعت اپنی طرف سے نکالی ان کی غرض اس بدعت نکالنے سے) مگر اللہ کی رضا مندی تھی، پھر اس (بدعت) کی رعایت بھی نہ کی۔''

یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین میں جو کام بے اصل ہو، وہ بدعت ہے، عیسائیوں نے جب دین میں رہبانیت (دنیا سے کنارہ کشی) کی بدعت جاری کی، پھر خود ہی اس کو پامال کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل قبیح پر مذمت کی، ثابت ہوا کہ دین میں بدعت مذموم چیز ہے، مذموم چیز کو سیئہ اور حسنہ میں تقسیم کرنا صحیح نہیں۔

عبدالرحمٰن بن عمر رستہ کہتے ہیں، امام عبدالرحمٰن بن مہدی کے ہاں اہل بدعت اور ان کی عبادت میں کوشش کا ذکر ہوا تو فرمایا: لا يقبل الله الّا ما كان على الأمر والسّنة ، ثمّ قرأ : ﴿وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ...﴾ (الحدید: ۲۷) فلم يقبل ذلک منهم ووبّخهم عليه ، ثمّ قال: الزم الطّريق والسّنة.

''اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرے گا، جو توحید و سنت کے مطابق ہوگا، پھر آپ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (الحدید: ۲۷) ''اور انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی، جو کہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔۔۔۔'' پس اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام قبول نہیں کیا، بلکہ اس پر ان کو ڈانٹا ہے، پھر فرمایا، تو توحید و سنت کو لازم پکڑ۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۹/ ۸، وسندہٗ حسن)

لغوی بدعت مذموم نہیں

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وليس له أصل فى الشّرع ويسمّى فى عرف الشّرع بدعة وما كان له أصل يدلّ عليه الشّرع فليس ببدعة ، فالبدعة فى عرف الشّرع مذمومة بخلاف اللّغة .

''جسکی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو، شرعی طور پر اسے بدعت کہتے ہیں، اور جسکی شریعت میں اصل و دلیل

ہو، وہ بدعت نہیں، لہذا شریعت میں جسے بدعت کہا جاتا ہے، وہ مذموم ہے اور لغوی معنی کے اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں۔'' (فتح الباری: ۱۳/ ۲۵۳)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں: ((کلّ بدعة ضلالة))من جوامع الکلم ، لا یخرج عنه شیء وھو أصل عظیم من أصول الدّین .... کلّ من أحدث شیئاً ونسبه الی الدّین ولم یکن له أصل من الدّین یرجع الیه فھو ضلالةٌ والدّین بریء منه وسواء فی ذٰلک مسائل الاعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظّاھرة و الباطنة وأمّا ما وقع فی کلام السّلف من استحسان بعض البدع فانّما ذلک فی البدع اللّغویّة لا الشّرعیة .

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ہر بدعت گمراہی ہے، جامع کلمات میں سے ہے اور دین کی ایک بڑی اصل ہے، جس نے کوئی بھی چیز ایجاد کر کے دین کی طرف منسوب کی، حالانکہ اس کی دین میں کوئی اصل نہ تھی، تو وہ گمراہی ہے اور دین اس سے بری ہے، خواہ وہ اعتقادات ہوں یا ظاہری و باطنی اقوال و اعمال، سلف صالحین نے جو بعض بدعات کو اچھا قرار دیا ہے، وہ لغوی بدعات کی بابت ہے، شرعی بدعات کے بارے میں نہیں۔'' (جامع العلوم والحکم: ۱۹۳)

ہر بدعت خواہ عقیدے سے متعلق ہو یا اعمال سے، مذمومہ ہے، لہذا بدعتی کا یہ کہنا کہ: ''ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔'' (جاء الحق: ۲۰۵) مردود و باطل ہے، کیونکہ جن نصوص میں بدعات کی مذمت وارد ہوئی ہے، وہ عام ہیں، ان میں تخصیص اور تقسیم ثابت نہیں۔

بدعتی دلائل سے تہی دست ہوتے ہیں، بدعات کے ثبوت پر بدعت کی تقسیم کا کمزور سہارا لیتے ہیں، جب ہر بدعت بے اصل، گمراہی وضلالت، غلوّ فی الدّین اور اللہ پر جھوٹ ہے، تو اس کی تقسیم چہ معنی دارد؟ کیا کوئی گمراہی بھی حسنہ ہوتی ہے؟

بدعت کی تقسیم پر اہل بدعت کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

بدعت کی تقسیم پر بدعتیوں کی سب سے بڑی دلیل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے: نعم البدعة ھذه.
''(ہمارے دور میں) یہ نیا کام اچھا ہے۔'' (صحیح بخاری: ۲۰۱۰)

بدعت کی تقسیم پر یہ دلیل تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازِ تراویح

کی جماعت کرائی، پھر خدشہ کے پیشِ نظر ترک کر دی، جب سیدنا عمر نے اپنے دور میں نمازِ تراویح کی جماعت کو دیکھا، تو فرمایا، یہ نیا کام اچھا ہے، چونکہ اسکی اصل عہدِ نبوی میں موجود تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اس کو زندہ کیا گیا ہے، تو آپ نے اسے تحسین کی نظر سے دیکھا، اتنی سی بات مبتدعین کو سمجھ نہ آئی اور بدعت کی تقسیم کی آڑ میں رافضیوں کے ہم نوا بن گئے ہیں۔

دلیل نمبر ۲:

احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

''بخاری (۴۹۸۶) میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآنِ پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ **كيف تفعلون شيئاً لم يصنعه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، قال هو خيرٌ** آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں، جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے، حضرت زید بن ثابت نے بارگاہِ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے، آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدعت تو ہے، مگر حسنہ ہے، یعنی اچھی ہے، جس سے پتہ لگا کہ فعلِ صحابہ کرام بدعتِ حسنہ ہے۔'' (جاء الحق : ۱ /۲۲۷)

نعیمی صاحب نے حدیث کے ترجمے میں خیانت کر کے خود ساختہ مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے، اس حدیث میں بدعت کے حسنہ اور سیئہ ہونے کے الفاظ تو کجا، اشارہ بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جمعِ قرآن تو خلفائے راشدین کی سنت ہے، بدعت ہے ہی نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

فعليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين .

''تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

(سنن ابی داوٗد : ٤٦٠٧، سنن ترمذی : ٢٦٧٦، وقال : حسن صحيح ، مسند الامام احمد : ٤ /١٢٦ـ١٢٧، وسندهٗ صحيح)

پھر قرآن کو جمع کرنا اس لیے بھی بدعت نہیں ہے کہ اس کی اصل عہدِ نبوی میں موجود تھی اور اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہے، جو کہ زبردست شرعی دلیل ہے۔

دلیل نمبر ۳:

ابو مالک سعد بن طارق بن اشیم کہتے ہیں، میں نے اپنے باپ سے کہا، اے ابا جان! یقیناً آپ نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہے، نیز علی رضی اللہ عنہ کو تقریباً پانچ سالوں سے کوفے میں دیکھا، کیا وہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ فرمایا:

أی بنیّ محدث . ''**اے بیٹا! یہ بدعت ہے۔**'' (سنن ابن ماجه: ۱۲٤۱، سنن ترمذی: ٤٠۲۔٤٠۳، وقال: حسن صحیح ، سنن نسائی: ۱۰۸۱، مسند الامام احمد: ۳ /٤۷۲، وسندهٗ صحیح)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اور دوام و تسلسل کے ساتھ نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا بدعت ہے، البتہ سماوی وارضی آفت و پریشانی پر نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ دیکھیں صحیح بخاری (۱۰۰۲)، صحیح مسلم (٦۷۷)، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نمازِ فجر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (شرح معانی الآثار: ۱/۲۵۰، وسندہٗ صحیح)، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما (شرح معانی الآثار: ۱/۲۵۱، وسندہٗ صحیح) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (شرح معانی الآثار: ۱/۲۵۲، وسندہٗ صحیح) سے قنوت پڑھنا ثابت ہے۔

دلیل نمبر ٤:

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سنّ فی الاسلام سنّة حسنة فعمل بها بعده کتب له مثل أجر من عمل بها ولا ینقص من أجورهم شیء ومن سنّ فی الاسلام سنّة سیّئة فعمل بها بعده کتب علیه مثل وزر من عمل بها ولا ینقص من أوزارهم شیء .

''جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لیے بھی کرنے والوں کے اجروں کی طرح اجر لکھا جائے گا، ان کے اجروں میں کچھ کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس پر بھی یہ عمل کرنے والوں کے گناہوں کی طرح گناہ لکھا جائے گا، ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔'' (صحیح مسلم: ۲/ ۳٤۱، ح: ۱۰۱۷)

اس حدیث کو بنیاد بنا کر بدعت کی تقسیم کرنا صحیح نہیں، کیونکہ حدیث کا سببِ ورود اس کی نفی کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، جو اونی کپڑوں میں ملبوس تھے، آپ نے ان کی بدحالی اور ان کی ضرورت کو دیکھ کر لوگوں کو صدقہ کرنے پر ابھارا، لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ کے چہرے پر کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لے کر آیا، پھر دوسرا آیا، اس طرح

لانے والوں کا تانتا بندھ گیا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔۔۔۔

اس حدیث سے بدعتیوں نے بدعات کا جو چور دروازہ کھولنا چاہا، وہ نہ کھل سکا، کیونکہ صدقہ کرنا قرآن و حدیث میں مشروع اور جائز ہے، جس سے لوگ پیچھے تھے، جب ایک صحابی نے صدقہ کرنے میں پہل کی تو وہ دوسروں کے لیے اس کارِ خیر میں بہترین نمونہ بنے، ان کے اس اقدام سے دیگر صحابہ میں رغبت بڑھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی، معلوم ہوا کہ سنتِ حسنہ سے یہاں مراد شرعی احکام و مسائل ہیں، ایسا شرعی حکم جس سے لوگ ناواقف ہیں یا وہ متروک ہوگیا ہے، اس کو جاری کرنا قابلِ تحسین ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

من دعا الی هدی کان له من الأجر مثل أجور من تبعه ، لا ینقص ذٰلک من أجورهم شیئاً ، ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل آثام من تبعه ، لا ینقص ذٰلک من آثامهم شیئاً .

''جو ہدایت کی طرف دعوت دے، اس کے لیے اس کی پیروی کرنے والوں کے اجر وثواب کی مانند اجر وثواب ہوگا، ان کے اجر وثواب میں کمی نہیں ہوگی اور جو گمراہی کی طرف دعوت دے، اس کے لیے اس کی پیروی میں گناہ کرنے والوں کے گناہوں کی مانند گناہ ہوگا، ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔''

(صحیح مسلم : ۲/ ۳٤۱ ، ح : ۱۰۱۷)

یہاں ہدایت سے مراد وہ کارِ خیر ہے، جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں ہدایت سے مراد قرآن وسنت لیا گیا ہے۔

دلیل نمبر ۵:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

ما رأی المسلمون حسنا فهو عند اللّٰه حسن وما رآه المسلمون سیّئاً فهو عند اللّٰه سیّیء ...

''جسے مسلمان اچھا خیال کریں، وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے مسلمان برا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی برا ہے۔۔۔'' (المستدرك للحاكم : ۳/ ۷۸، ح : ٤٤٦٥، وسندهٗ حسن وصححه الحاكم ووافقه الذهبی)

یہاں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد مسلمانوں کا اجماع ہے، بدعتی اپنی کثرت پر پھولے نہیں سماتے، جھٹ بدعت جاری کر کے اپنے آپ کو اس قول کا مصداق سمجھتے ہیں، جبکہ ہر بدعت ضلالت اور قرآن وحدیث و

اجماع کے خلاف ہوتی ہے، کسی بدعت پر کوئی اجماع نہیں۔

دلیل نمبر ٦:

احمد یار خاں نعیمی بریلوی لکھتے ہیں:

''جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں، وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنیٰ کریں گے کہ **الاصل فی الاشیاء الاباحة** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں، یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے، ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے، یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔'' (جاء الحق: ١ /٢٢٩)

دین میں ہر نیا کام بدعت ہے، جن دلائل میں بدعت کی مذمت وارد ہوئی ہے، وہ عام ہیں، لہٰذا ہر بدعت ممنوع اور حرام ہے، جہاں تک اس قاعدہ کلیہ کا تعلق ہے تو یہ کھانے پینے کی اشیاء کی حلت و حرمت کے متعلق ہے نہ کہ شرعی احکام و اعمال کے۔

اصلی بدعتی

ثابت ہوا کہ بدعت بے اصل ہوتی ہے، شریعت کی نظر میں دینی امور میں ہر بدعت مذموم ہے، لغوی اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں، اس حقیقت سے بوکھلا کر مشہور بدعتی احمد یار خاں نعیمی بریلوی ساری دنیا کے سامنے برملا اعلان کرتے ہیں:

''شریعت و طریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں، ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں، جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے، اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچ کر وہ اپنی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں، تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟''

(جاء الحق:١ /٢٢٢)

کلمہ اور ایمان اصل ہیں، جن کے کلمہ اور ایمان میں بدعات داخل ہیں، وہ اصلی بدعتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و عمل دونوں میں بدعت سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

اہل بدعت کی بے اصولی اور مغالطہ

احمد یار خاں نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: ''آج کل دنیا میں وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا، اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی۔ پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے، اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ بولو دیوبندی وہابی بغیر بدعت حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!'' (جاء الحق: ۲۱۱)

جو چیزیں مبادی سے تعلق رکھتی ہوں، مقاصد (اعتقادات وعبادات) میں داخل نہ ہوں، ان کے متعلق شرعی ممانعت وارد نہ ہو تو کسی مصلحت کے لئے مقرر کرنا جائز ہے مثلاً سنہ ہجری کا مقرر کرنا، مسجد میں سپیکر لگوانا، تبلیغ دین کے لئے دینی محافل ومجالس کا انعقاد کرنا اور کتابوں کی اشاعت کرنا وغیرہ، اہلِ بدعت ان امور کے جائز ہونے سے ہر قسم کے نئے کاموں کا نکالنا جائز سمجھتے ہیں، یہ ان کی سراسر جہالت اور علم سے بے خبری ہے۔

دوسرا مغالطہ نعیمی بریلوی صاحب نے حدیث: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو ردٌّ. کے معنیٰ میں دیا ہے، ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو کہ دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے ''مـــا'' کے معنیٰ عقیدے اس لئے کئے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے، اعمال فروع ہیں۔'' (جاء الحق: ۲۰۴۔۲۰۵)

یہ محض سینہ زوری اور حدیث کی معنوی تحریف ہے، کیونکہ علمائے حق کی تصریحات اس کے خلاف ہیں، حدیث کے معنی میں عقیدے کی قید اور دین کی خلاف ورزی تحکم محض ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے، خواہ وہ عقیدے میں جاری کی گئی ہو یا اعمال میں، دیکھیں کہ بدعتی مرجئی صاحب دین میں کیسی واہی تباہی مچا رہے ہیں، مسلمانوں کے دین واعمال میں بدعات داخل کرنے کی ناپاک جسارت کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان کے نزدیک دین واعمال اور بدعات میں کوئی فرق نہیں، چونکہ ان کو اعتراف ہے کہ ہمارا مذہب بدعت ہے، ہمارے کلمہ وایمان میں بدعات داخل ہیں، اس لئے بڑی ڈھٹائی سے اعمال میں بدعات کا دروازہ کھول رہے ہیں، اعمال کو دین وایمان میں داخل نہ کرنا نیز ان کو فروع قرار دینا بذاتِ خود ارجائی بدعت ہے، ایک ادنیٰ مسلمان یہ بات سمجھتا ہے کہ اعمال دین میں داخل ہیں، یہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اتفاقی واجماعی مسئلہ ہے، جیسا کہ حافظ بغوی لکھتے ہیں:

اتّفقت الصّحابة و التّابعون فمن بعدهم من علماء السّنّة علىٰ أنّ الأعمال من الايمان ،

وقالوا:انّ الايمان قولٌ و عملٌ و عقيدةٌ .

''صحابہ کرام، تابعین عظام اوران کے بعد والے علماء اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے کا نام ہے۔'' (شرح السّنّة للبغوی : ۳۸/۱)

جس عقیدہ پر مسلمان یک زبان ہوں، اس کے خلاف بات کرنا ایک بدعتی کا ہی شیوہ ہوسکتا ہے۔

احمد یار نعیمی بریلوی صاحب کی زبانی بھی یہ حقیقت سن لیں: ''بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں، بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔'' (جاء الحق : ۲۰۴)

باقی رہا اہل بدعت کا یہ کہنا کہ وہ بدعت دین کے خلاف ہو، یہ بات مردود ہے، کیونکہ بدعت بے اصل ہوتی ہے، شریعت نے بدعت سے منع کیا ہے، بدعتی ممانعت کے باوجود اسے جاری کر کے خود بخود کتاب وسنت اور اجماع کا مخالف بن جاتا ہے، ثابت ہوا کہ ہر دینی بدعت دین کے مخالف ہوتی ہے۔

اہل بدعت کی جہالت اور دھوکہ دہی

اہل بدعت کے امام احمد یار خاں نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ''دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدثین کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

کلّ محدثةٍ بدعةٌ .(مشکوة باب الاعتصام) ''ہر نیا کام بدعت ہے۔''

اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں لگائی۔'' (جاء الحق:۲۱۲)

بدعتی صاحب تو جہان سدھار گئے ہیں، ہم ان کے حواریوں سے پوچھیں گے کہ وہ ''احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدثین'' کہاں ہیں؟ اگر پیش نہ کر سکے تو۔۔۔۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أحدث فی دیننا ما لیس منه فهو ردّ .

''جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے، جو اس میں موجود نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

(جزء من حدیث لوین : ......، وسندهٗ صحیح ، شرح السنة للبغوی : ۱۰۳، وسندهٗ حسن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

وایّاکم ومحدثات الأمور ، فانّ کلّ محدثة بدعةٌ وکلّ بدعةٍ ضلالةٌ.

''تم (دین میں) نئے کام نکالنے سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

(سنن أبی داود :٤٦٠٧، سنن ترمذی : ٢٦٧٦، سنن ابن ماجه :٤٤، مسند الامام أحمد: ٤/١٢٦۔١٢٧، وسندهٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ''حسن صحیح'' اور امام ابن حبان (۵) اور امام حاکم (۹۵/۱) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ دین میں بدعات داخل کرنا ناجائز اور ممنوع امر ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے، کیا کوئی صاحب عقل دنیاوی نئے کام کو ضلالت و گمراہی کہہ سکتا ہے؟ بدعت اور بدعتی کی مذمت آئی ہے اور بدعت کے مرتکب کو شدید وعید سنائی گئی ہے، اس مذمت اور شدید وعید کا تعلق اس بدعتی کے بارے میں ہے، جو دین میں بدعات داخل کرتا ہے یا دنیاوی نئے نئے کام جاری کرتا ہے۔ اہل عقل کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے، جاہلوں اور بدعتیوں کے لئے دلائل کے انبار بھی ناکافی ہیں۔

فقیہ الامت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سیلی أمورکم بعدی رجال یطفئون من السّنّة ویعملون بالبدعة (وفی روایة :ویحدثون بدعة)ویؤخّرون الصّلاة عن مواقیتها ، قلت : یا رسول اللّٰه !ان أدرکتهم کیف أفعل ؟قال:تسألنی یاابن أمّ عبد کیف تفعل؟ لا طاعة لمن عصی اللّٰه .

''عنقریب میرے بعد تمہارے معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں گے، جو سنت کو مٹائیں گے، بدعتیں جاری کر کے ان پر عمل کریں گے، نمازوں کو ان کے اوقات سے لیٹ کریں گے، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا، اے ام عبد کے بیٹے! تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا کرے، جو اللہ کا نافرمان ہے، اس کی کوئی اطاعت نہیں۔''

(سنن ابن ماجه:٢٨٦٥، مسند الامام أحمد :١/٣٩٩، وسندهٗ حسن ، عبدالله بن عثمان بن خثیم حسن الحدیث ، قال الحافظ ابن حجر : وثّقه الجمهور (موافقة الخبرالخبر: ٢/٢٧٦))

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدعت کی مذمت فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ بدعتی سنتوں کے دشمن اور بدعات کے شیدائی ہوتے ہیں، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ بدعت معصیت ہے اور بدعتی اللہ کا نافرمان ہوتا ہے، لہذا عام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کی اسلام دشمنی سے ہوشیار باش رہیں، ان کے جبوں اور قبہ نما دستاروں سے متاثر ہو کر متاع ایمان گنوا کر معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں، معلوم ہوا کہ ہر دینی بدعت، خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو یا عمل سے، وہ مذموم ہے، ہر لغوی بدعت مذموم نہیں، لہذا اہل بدعت کا یہ کہنا کہ بدعت

میں ''دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے'' باطل ہے۔

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں: **ما من عام الّا والنّاس یُحیُون فیه بدعةً ویُمیتون فیه سنّةً حتّٰی تُحیی البدَعُ وتموت السّننُ .**

''ہر سال بدعتی لوگ کوئی نہ کوئی بدعت جاری کر دیتے ہیں اور کوئی نہ کوئی سنت مٹا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہو جائیں گی۔''

(البدع والنّهی عنها :۹۹، وسندهٗ حسن، نعیم بن حمّاد صدوق حسن الحدیث وثّقه الجمهور ، ومهدیّ بن حرب ، وثّقه ابن حبان ووثّقه ابن خزیمة بتصحیح حدیثه ، وهو حسن الحدیث)

ابن عباس رضی اللہ عنہ صاف فرما رہے ہیں کہ بدعات سنتوں کے مردہ ہو جانے کی موجب ہیں، یقیناً یہاں دینی وشرعی بدعت مراد ہے نہ کہ دنیاوی اور لغوی۔

حسان بن عطیہ التابعی کہتے ہیں: **ما ابتدع قومٌ بدعةً فی دینهم الّا نزع اللّٰه من سنّتهم مثلها ، ثمّ لا یعیدها الیهم الیٰ یوم القیامة.**

''جو لوگ اپنے دین میں جتنی بھی بدعات جاری کرتے ہیں، اللہ تعالی اتنی ہی سنتیں ان سے چھین لیتا ہے، پھر تا قیامت ان لوگوں کو (ان سنتوں پر عمل کی توفیق) نہیں لوٹاتا۔''

(سنن دارمی :۹۹، حلیة الاولیاء:٦ /٧٣، المعرفة و التاریخ :٣٨٦/٣، سنده صحیح)

ایک ثقہ امام دینی بدعت کی قید لگا کر اس کے نقصانات سے امت کو آگاہ کر رہے ہیں۔

قال الامام الدّارمی : أخبرنا الحکم بن المبارک ، أنبانا عمرو بن یحییٰ ، قال : سمعت أبی یحدّث عن أبیه ، قال : کنّا نجلس علی باب عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قبل صلاة الغداة ، فاذا خرج ، مشینا معه الی المسجد ، فجاء نا أبو موسی الأشعری رضی اللّٰه عنه ، فقال ؛أخرج الیکم أبو عبدالرّحمن ؟ قلنا:لا ، بعدُ .فجلس معنا حتی خرج ، فلمّا خرج ، قمنا الیه جمیعاً ، فقال له أبو موسیٰ : یا أبا عبدالرّحمن ! انّی رأیت فی المسجد آنفا أمراً أنکرته ولم أر والحمد للّٰه الّا خیراً ، قال : فما هو ؟ فقال : ان عشت فستراه .قال: رأیت فی المسجد قوماً حلقاً جلوساً ینتظرون الصّلاة ، فی کلّ حلقة رجل ، وفی أیدیهم حصاً ، فیقول : کبّروا مئةً ، فیکبّرون مئةً ، فیقول: هلّلوا مئةً ، فیهلّلون مئةً ، ویقول : سبّحوا مئةً ، فیسبّحون مئةً .قال : فماذا قلت لهم؟قال: ماقلت لهم انتظار رأیک أو انتظار أمرک . قال : أفلا أمرتهم أن یعدّوا سیّئاتهم ، وضمنت لهم أن لّا یضیع من حسناتهم ، ثمّ مضٰی ومضینا معه حتّٰی أتٰی حلقة من تلک الحلق،

فوقف عليهم ، فقال ؛ ماهٰذاالّذی أراكم تصنعون ؟ قالوا: يا أبا عبد الرّحمٰن حصا نعدّ به التّكبير و التّهليل و التّسبيح .قال ؛ فعدّوا سيّئاتكم ، فأما ضامن أن لّا يضيع من حسناتكم شيء، ويحكم يا أمّة محمّد، ما أسرع هلكتكم ! هؤلاء صحابة نبيّكم متوافرون ، وهٰذه ثيابه لم تبل ، وآنيته لم تكسر ، والّذی نفسی بيده ! انّكم لعلیٰ ملّة هی أهدیٰ من ملّة محمّد صلّی اللّٰه عليه وسلّم أو مفتتحوا باب ضلالة .قالوا: واللّٰه يا أبا عبد الرّحمن ! ما أردنا الّا الخير .قال : وكم من مريد للخير لن يصيبه ، انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم حدّثنا أنّ قوما يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم، وأيم اللّٰه ما أدری لعلّ أكثرهم منكم ، ثمّ تولّٰی عنهم .فقال عمرو بن سلمة : رأينا عامّة أولٰئک يطاعنونا يوم النّهروان مع الخوارج.

''ہم صبح کی نماز سے پہلے سیدنا عبداللہ بن مسعود کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ جب آپ گھر سے نکلیں ،ہم ان کے ساتھ مسجد میں جائیں ، ہمارے پاس سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور پوچھا، کیا ابو عبدالرحمٰن (ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) گھر سے نکلے ہیں؟ ہم نے کہا ، ابھی تک تو نہیں ، وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے ، جب آپ گھر سے نکلے ، ہم سب ان کی طرف اٹھے ، ابوموسیٰ نے عرض کی ، اے ابو عبدالرحمٰن ! میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسا کام دیکھا ہے، جسے بہت عجیب سمجھا ہوں ، بظاہر تو مجھے نیکی ہی معلوم ہوئی ہے، آپ نے فرمایا ، وہ کونسا کام ہے، انہوں نے عرض کی ، آپ عنقریب اسے دیکھ لیں گے ، میں نے مسجد میں لوگوں کے کئی حلقے دیکھے ہیں ، جو نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں ، ہر حلقے میں ایک آدمی تھا ، جو کہتا کہ سو دفعہ اللہ اکبر کہو ، لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں ، وہ سو دفعہ اللہ اکبر کہتے ، پھر وہ کہتا کہ سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہو ، لوگ سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ، پھر وہ کہتا کہ سو دفعہ سبحان اللہ کہو ، وہ ایسا ہی کرتے ۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ، آپ نے ان سے کیا کہا تھا ؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ، میں نے تو آپ کی رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا اور کچھ نہیں کہا ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنی برائیاں شمار کریں اور میں ضامن ہوں کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی ۔

پھر آپ ہمارے ساتھ چلے ، حتیٰ کہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا ، میں تمہیں کیا کرتا دیکھ رہا ہوں ؟ وہ کہنے لگے ، اے ابوعبدالرحمٰن ! ہم کنکریوں کے ساتھ اللّٰہ أكبر ، لا الٰہ الّا اللّٰہ اور سبحان اللّٰہ شمار کر رہے ہیں ، آپ نے فرمایا ، تم اپنے گناہ شمار کرو ! میں ضامن ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع

نہیں ہوگی ، آہ اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کتنی جلدی تمہاری ہلاکت آ گئی ، یہ تمہارے نبی کے صحابہ ابھی وافر تعداد میں موجود ہیں ، آپ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے ، آپ کے برتن ابھی ٹوٹے نہیں ، اس ذات کی قسم ، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بہتر طریقے پر ہو یا پھر گمراہی کے دروازے کھول رہے ہو۔

وہ کہنے لگے ، اے ابوعبدالرحمٰن! ہم تو نیکی کے ارادے سے ایسا کر رہے تھے ، آپ فرمانے لگے ، کتنے ہی نیکی کے طلب گار ہیں ، جو نیکی کو نہیں پا سکتے ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے ، جو قرآن پڑھیں گے ، لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کر سکے گا ، اللہ کی قسم! میرے خیال کے مطابق ان میں سے اکثر تم میں سے ہیں ، پھر آپ ان کے پاس سے واپس آ گئے۔

عمرو بن سلمہ کہتے ہیں ، ہم نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر لوگ جنگِ نہروان والے دن خارجیوں کے ساتھ مل کر ہم (صحابہ کرام) پر تیر برسا رہے تھے۔

(سنن دارمی : ۱ /۶۰_۶۱ ، اتحاف المهرة لابن حجر : ۱۰ /۳۹۹_۴۰۰ ، وسندهٗ حسن)

۱☆ الحکم بن المبارک کو امام احمد بن حنبل ، امام ابنِ مندہ ، امام ابنِ حبان ، حافظ ابن السمعانی اور حافظ ذہبی (الکاشف :۱/ ۱۸۳) نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

امام ابن عدی نے ان پر حدیث کی چوری کا الزام لگایا ہے (الکامل لابن عدی : ۱/ ۱۸۵ ، ترجمہ احمد بن عبدالرحمٰن الوھبی) ، جمہور کی توثیق کے مقابلہ میں یہ جرح مردود ہے۔

۲☆ عمرو بن یحییٰ ''ثقہ'' ہے۔ (تقریب : ۵۱۳۷)

۳☆ یحییٰ بن عمرو بن سلمہ

۴☆ عمرو بن سلمہ الہمدانی ''ثقہ'' ہے۔ (تقریب : ۵۰۴۱)

ذکر تو مشروع ہے ، لیکن اس کی ہیئت ، طریقہ ، رنگ ڈھنگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تھا تو صحابیٔ رسول نے اس کو نہ صرف بدعت قرار دیا ، بلکہ امت کی تباہی و بربادی کا بھی سبب قرار دیا ، یاد رہے کہ جو کام صحابہ کے عہد میں بلانکیر رائج ہو جائے ، وہ بدعت نہیں ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیّم رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

انّ اللّٰہ سبحانه لا یعبد الّا بما شرعه علیٰ ألسنة رسله ، فانّ العبادة حقّه علیٰ عباده ، وحقّه

الّذی أحقّه هو ورضی به و شرعه ، وأمّا العقود والشّروط و المعاملات فهی عفو حتّٰی یحرّمها .

''اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طریقے سے معتبر ہوگی ، جو اس نے اپنے انبیاء کی زبانی بیان کر دیا ہے، کیونکہ عبادت بندوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کا حق (ادا کرنے کا طریقہ) وہی ہے، جو اس نے خود پسند اور مقرر کیا ہے، البتہ شروط و معاملات کو جب تک اللہ حرام قرار نہ دے، جائز ہوتے ہیں۔''

(اعلام الموقعین: ۱/۳۴٤)

بدعت کے رد پر اصول

اصول نمبر ۱:

واضح رہے کہ دینی امر کا حکم من جانبِ اللہ ضروری ہے، جب تک اللہ اجازت نہ دے، اس کا کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

انّما أنا بشر اذا أمرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا به واذا أمرتکم بشیءٍ من رأیی فاِنّما أنا بشرٌ

''یقیناً میں بشر ہوں جب میں تمہیں کوئی بھی دینی حکم دوں تو اس پر (سختی سے) عمل پیرا ہو جاؤ اور جب میں تمہیں (دنیاوی کاموں کا) اپنی رائے سے حکم دوں تو میں بشر ہوں۔'' (صحیح مسلم: ۲۳٦۲)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: أنتم أعلم بأمر دنیاکم ''دنیاوی امور کو تم بہتر جانتے ہو۔''

(صحیح مسلم: ۲۳٦۳)

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ اصول ثابت ہوا کہ دنیاوی کاموں میں جب تک ممانعت وارد نہ ہو، کر سکتے ہیں، لیکن دین کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا حکم ضروری ہے، جب تک شرعی دلیل نہ ملے، ان کا کرنا ممنوع ہے، مروّجہ جشنِ عیدِ میلاد جیسی بدعات کی اصل کتاب و سنت میں نہیں ہے، لہٰذا یہ بدعت اور ممنوع ہیں۔

فائدہ:

جو چیزیں مبادی سے تعلق رکھتی ہوں، مقاصد (اعتقادات و عبادات) میں داخل نہ ہوں، ان کے متعلق شرعی ممانعت وارد نہ ہو تو کسی مصلحت کے لئے مقرر کرنا جائز ہے، مثلاً سنہ ہجری کا مقرر کرنا، مسجد میں سپیکر لگوانا، تبلیغِ دین کے لئے دینی محافل و مجالس کا انعقاد کرنا اور کتابوں کی اشاعت کرنا وغیرہ، اہلِ بدعت ان امور کے جائز ہونے سے ہر قسم کے نئے کاموں کا نکالنا جائز سمجھتے ہیں، یہ ان کی سراسر جہالت اور علم سے بے خبری ہے۔

اصول نمبر ۲:

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، لولا أنّی رأیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقبّلک ما قبّلتک، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔''

(صحیح بخاری :۱٦١۰، صحیح مسلم:۱٦٧۰)

سیّدنا عمر کے قول سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو نہ کرنا عدمِ ثبوتِ شرعی کا حکم رکھتا ہے، یہی حال عیدِ میلاد اور دیگر بدعات کا ہے۔

اصول نمبر ۳:

اللہ ربّ العزّت کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَ ةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِکَ کَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْکُوْرًا﴾(بنی اسرائیل :۱۹)

''جو کوئی آخرت کے ارادہ سے عمل کرے (نہ کہ دنیا کے لئے)، حتّی المقدور اس میں کوشش کرے اور ہو بھی مومن، تو ایسے لوگوں کی کوشش کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے گا۔''

اس آیتِ کریمہ میں '' سَعْيَهَا '' کے معنیٰ معین کردہ عمل کے ہیں، مصدر کی اضافت تعیین کا فائدہ دیتی ہے، وہی کوشش بارآور ثابت ہوگی، وہی عمل قبول ہوگا، جو قرآن وسنّت سے ثابت ہوگا، جو ثابت نہ ہو، وہ بدعت ہے، مروّجہ جشنِ عیدِ میلاد و دیگر بدعات سنّت سے ثابت نہیں ہیں، لہٰذا مردود و باطل ہیں۔

اصول نمبر ٤:

ابو وائل کہتے ہیں کہ میں شیبہ بن عثمان کے پاس کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ عمر بن خطاب اسی جگہ تشریف فرما تھے اور فرمانے لگے کہ میرا ارادہ ہے کہ (کعبہ میں) جو سونا اور چاندی ہے، وہ مسلمانوں میں بانٹ دوں، تو میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے، آپ نے فرمایا، کیوں؟ میں نے کہا: لم یفعلہ صاحباک. آپ کے دو ساتھیوں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے یہ کام نہیں کیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هما المرآن یُقتدیٰ بهما. ''یہ دو ہستیاں مقتدا اور پیشوا ہیں۔''

(صحیح بخاری : ٧٢٧٥)

ثابت ہوا جس کام کا محرّک موجود ہو، کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قصداً ترک کیا ہو، اگرچہ اس کے بارے میں ممانعت ثابت نہ بھی ہو، تو اس کا ترک کرنا سنت ہے اور کرنا

بدعت سیّئہ و مذمومہ ہے، یہی حال مروّجہ جشنِ عیدِ میلادِالنّبی کا ہے، قرآن وحدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں، اس کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں ہوئی، سب سے پہلے مصر میں نام نہاد فاطمی شیعوں نے یہ جشن منایا۔

(الخطط للمقریزی:۱ /۴۹۰وغیرہ)

ہر بدعت کا یہی حال ہے۔

جناب غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ''اس سلسلہ میں صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرّک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع نہ ہو، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ عنہ وسلم نے وہ کام قصداً ترک کیا ہو تو وہ کام کرنا یقیناً ناجائز امرِ بدعت ہے۔'' (شرح صحیح مسلم:۲/۵۴۵)

بدعتِ عیدِ میلاد کا سبب (مجلسِ میلاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم) آپ کے زمانے میں موجود تھا، اس کے کرنے میں کوئی بندش بھی نہیں تھی، آپ نے اور صحابہ کرام نے اس کو قصداً ترک کیا، لہٰذا اب اس کا انعقاد یقیناً ناجائز امرِ بدعت ہے۔

عیدین سے پہلے اذان کا محرّک موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کو قصداً ترک کیا، جبکہ اذان اللہ کا ذکر، شعارِ اسلام اور دعوتِ تامّہ ہے، جو کہ بظاہر عام شرعی دلیلوں کے تحت درج بھی ہوسکتی ہے، اذانِ عیدین کو اذانِ جمعہ پر قیاس کرنے کی گنجائش بھی ہے، نیز یہ کسی شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہے، شریعت نے اس سے منع بھی نہیں کیا، اس کے باوجود یہ بدعتِ مذمومہ اور سیّئہ ہے، وجہ ایک ہی ہے کہ اس کا محرّک موجود تھا، کوئی مانع بھی نہیں تھا، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قصداً ترک کیا، ہر بدعت کا یہی حال ہے۔

واضح رہے کہ بدعات یا تو عام دلیلوں کا فرد ہی نہیں ہوتی ہیں یا ان سے مستثنیٰ ہوتی ہیں، لہٰذا بدعت کے ثبوت پر عام اور مطلق دلیل سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

اہلِ بدعت مروّجہ عیدِ میلاد اور دیگر بدعات کے ثبوت میں جو دلائل پیش کرتے ہیں، کیا صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور سلف صالحین ان سے بے خبر تھے؟ اگر ان دلائل سے مروّجہ عیدِ میلاد وغیرہ کا جواز یا استحباب ثابت ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس کا اہتمام کرتے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجودِ مقتضیٰ اور عدمِ مانع کے ترک کیا ہے، اس کا ترک کرنا سنت ہے اور کرنا بدعتِ سیّئہ و مذمومہ ہے۔

اصول نمبر ۵ :

ہر بدعت کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن مسعودفرماتے ہیں:

لا یجعل أحدکم للشّیطان شیئاً من صلاته ، یرٰی أنّ حقّاً علیه أن لّا ینصرف الّا عن یمینه ، لقد رأیت النّبیّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کثیراً ینصرف عن یّساره.

''تم میں سے کوئی اپنی نماز میں اس طرح شیطان کا حصہ نہ بنالے کہ (سلام کے بعد) دائیں طرف سے پھرنا اپنے اوپر لازم کرلے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بائیں جانب سے پھرتے دیکھا ہے۔''

(صحیح بخاری : ۸۵۲، صحیح مسلم:۷۰۷)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی جائز ومستحب کام پر اصرار کرنا، اس کے ساتھ واجب کا معاملہ کرنا، اس کو شیطانی کام بنادیتا ہے، ایک بدعت کو ضروری قرار دینا کیونکر جائز ہوگا؟

اصول نمبر ٦:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: **وأمّا أهل السّنّة والجماعة فیقولون فی کلّ فعل و قول لم یثبت عن الصّحابة هو بدعة ، لو کان خیراً لسبقونا الیه لأنّهم لم یترکوا خصلة من خصال الخیر الّا وقد بادروا الیها.**

''اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہر وہ قول وفعل جو صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے، اگر وہ کارِ خیر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے یہ کام کر جاتے، کیونکہ وہ کوئی نیک کام نہ چھوڑتے تھے، بلکہ اس میں جلدی کرتے تھے۔''

(تفسیر ابن کثیر : ٥/٥٦٧)

اگر مروجہ جشنِ عیدِ میلاد یا دیگر بدعات کی کوئی اصل ہوتی تو صحابہ کرام اس میں پہل کرتے، کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر قرآن وحدیث کے معانی، مفاہیم ومطالب اور تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے تھے۔

بدعتی کی مذمت

۱☆ امام سفیان بن عیینہ ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُفْتَرِيْنَ﴾ (الأعراف : ۱۵۲) (اور ہم افتراء باندھنے والوں کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

کلّ صاحب بدعة ذلیلٌ. ''ہر بدعتی ذلیل ہوتا ہے۔'' (تفسیر ابن أبی حاتم : ۹۰۴۷، وسندهٔ صحیح)

۲☆ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾(النحل : ١١٦)

''کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ويدخل في هٰذا كلّ من ابتدع بدعةً ليس له فيها مستند شرعيّ او حلّل شيئاً ممّا حرّم اللّٰه أو حرّم شيئاً ممّا أباح اللّٰه بمجرّد رأيه وتشهيه.

''ہر بدعتی اس حکم میں داخل ہے، جس نے بدعت جاری کی، جبکہ اس کے پاس اس بدعت پر شرعی ثبوت و دلیل نہیں ہے، یا جس نے محض اپنی رائے اور نفسانی خواہش سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا۔''(تفسير ابن كثير :٢ /٧٧٩)

☆٣ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾(آل عمران : ٧)

''وہی ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اس کی بعض آیات محکم ہیں، وہی ام الکتاب ہیں اور دوسری متشابہ ہیں، سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنہ تلاش کرنے اور اس کی تاویل کے لیے متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں۔''

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وهذه الآية وان كانت نزلت فيمن ذكرنا انّها نزلت فيه من أهل الشّرك ، فانّه معنى بها كلّ مبتدع في دين اللّٰه بدعة فمال قلبه اليها تاويلا منه بعض متشابه آى القرآن ، ثمّ حاجّ به وجادل به أهل الحقّ وعدل عن الواضح من أدلّة آية المحكمات ارادة منه بذٰلك اللّبس على أهل الحقّ من المؤمنين ، وطلبا لعلم تأويل ما تشابه عليه من ذٰلك كائناً من كان ....

''اگرچہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس سے مراد ہر بدعتی ہے، جو اللہ کے دین میں بدعت نکالتا ہے، پھر قرآن کی بعض متشابہ آیات میں تاویل کرتے ہوئے اس کا دل اس کی طرف مائل ہو

جاتا ہے اور وہ اہل حق سے جھگڑا کرتے ہوئے محکم آیات میں موجود واضح حق سے ہٹ جاتا ہے، اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اہل حق مومنوں سے حق کو چھپائے اور متشابہ آیات کی تاویل تلاش کرے، چاہے جو بھی ہو۔''

(تفسیر طبری : ......)

۴ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام .

''جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی، اس نے اسلام کو ڈھانے پر معاونت کی۔''

(الشريعة للآجری : ص ٩٦٢، ح : ٢٠٤٠، وسندهٗ صحيح)

اس کا راوی ابوالفضل عباس بن یوسف الشکلی ''مقبول الروایۃ'' ہے۔(تاريخ الاسلام للذهبی : ٢٣ /٤٧٩)

۵ ☆ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں:

ومن أحدث حدثا أو آوٰى محدثا فعليه لعنة الله والملٰئكة والنّاس أجمعين ، لا يقبل منه صرف ولا عدل .

''جو کوئی بدعت نکالتا ہے یا بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس سے کوئی فرضی ونفلی عبادت قبول نہیں ہوتی۔'' (مسند الطيالسی : ص ٢٩٩، مسند المسدد (اتحاف الخيرة : ٦٨٥٠)، واللفظ له، مسند الامام احمد : ٢ /١٧٨، ١٨٠، ١٩١، ١٩٢، ١٩٤، ٢١١، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی (۱۴۱۳) نے ''حسن'' اور امام ابن الجارود (۱۰۷۳) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

٦ ☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا وانّي فرطكم على الحوض ، وأكاثر بكم الأمم ، فلا تسوّدو وجهي ، ألا وانّي مستنقذ أناسا ، ومستنقذ منّي أناس ، فأقول : يا ربّ ! أصيحابي؟ فيقول : انّك لا تدري ما أحدثوا بعدك .

''سنو! میں حوض (کوثر) پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور تمہاری کثرتِ تعداد کی وجہ سے دوسری قوموں پر فخر کروں گا تو مجھے (قیامت کے دن) رسوا نہ کر دینا، سنو! میں کچھ افراد کو (جہنم سے) چھڑاؤں گا اور کچھ لوگ مجھ سے چھین لیے جائیں گے (اور جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے)۔ میں کہوں گا، میرے رب! میرے ساتھی؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آپ کو نہیں معلوم، انہوں نے آپ کے بعد نئے کام کیے؟'' (سنن ابن ماجه : ٣٠٥٧، وسندهٗ حسن ، قال البوصيری : هذا اسناد صحيح (مصباح الزجاجه : ٣ /٢٠٧) ، واخرجه مسدد فی مسنده كما فی مصباح الزجاجة : ٢٠٧/٣، واحمد : ٥ /٤١٢، والنسائی (الكبرٰی : ح : ٤٠٩٩) ، والطبری : ١٠ /٧٣، وسندهٗ صحيح)

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے

حافظ ابویحییٰ نورپوری

دلیل نمبر ۱:

عن جابر بن سمرة : أنّ رجلاً سأل رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : أأتوضّأ من لحوم الغنم؟ قال : ان شئت فتوضّأ ، وان شئت فلا توضّأ : قال أتوضّأ من لحوم الابل ؟ قال : نعم ، فتوضّأ من لحوم الابل ، قال : أصلّی فی مرابض الغنم ؟ قال : نعم ، قال أصلّی فی مبارک الابل ؟ قال : لا .

''سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، کیا میں بکری کے گوشت (کوکھانے) سے وضوکروں؟ آپ نے فرمایا، اگر چاہوتو وضوکرلواور اگر نہ چاہوتو نہ کرو، اس نے عرض کی، کیا میں اونٹ کے گوشت (کوکھانے) سے وضوکروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، اونٹ کے گوشت (کوکھانے) سے وضوکرو، عرض کی، کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، عرض کی، کیا میں اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لوں؟ فرمایا نہیں۔'' (صحیح مسلم : ۳٦۰)

دلیل نمبر ۲:

عن البراء بن عازب قال : سئل رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم عن الوضوء من لحوم الابل، فقال : توضّؤوا منها ، وسئل عن الوضوء من لحوم الغنم ، فقال : لا توضّؤوا منها .

''سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کے گوشت (کوکھانے) سے وضو کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، اس سے وضوکرو، پھر آپ سے بکریوں کے گوشت (کوکھانے) سے وضو کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا، اس سے وضو نہ کرو۔''

(سنن ترمذی : ۸۱ ، سنن أبی داوٗد : ۱۸٤ ، سنن ابن ماجه : ٤۹٤، وسندهٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۳۲) ، امام ابن حبان (۱۱۲۸) ، امام ابن الجارود (۲٦) ، امام احمد بن حنبل، (مسائل الامام أحمد لابنه عبدالله : ۱/ ٦۵) اور امام اسحاق بن راہویہ (جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۸۱) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

مسند ابی داوٗد الطیالسی (۷۳٤_۷۳۵) اور سنن کبریٰ بیہقی (۱/ ۱۵۹) میں اعمش نے سماع کی تصریح کی ہے۔

دلیل نمبر ۳:

عن جابر بن سمرة قال : كنّا نتوضّأ من لحوم الابل ولا نتوضّأ من لحوم الغنم .

''سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرام) اونٹ کے گوشت (کوکھانے) سے وضو کرتے تھے، لیکن بکریوں کے گوشت سے وضونہیں کرتے تھے۔''

(مصنف ابن أبی شیبه : ٤٦/١ ، ح : ٥١٧ ، وسنده صحیح)

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مذکورہ مرفوع حدیث بھی بیان کی ہے اور مسلّم قاعدہ ہے کہ راویٔ حدیث اپنی روایت کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے، راویٔ حدیث صحابہ کا عمل بیان کرر ہے ہیں، گویا کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

ائمہ محدثین اور فقہائے کرام کی آراء

۱☆ امام ترمذی (۲۰۰ ـ ۲۷۹) یوں باب قائم کرتے ہیں: **باب ما جاء فی الوضوء من لحوم الابل.**

''اونٹ کے گوشت (کوکھانے) سے وضو کے بارے میں روایات کا بیان۔''

نیز لکھتے ہیں:

وهو قول أحمد واسحاق ، وقد روی عن بعض أهل العلم من التّابعين وغيرهم : أنّهم لم يروا الوضوء من لحوم الابل ، وهو قول سفيان الثّوری وأهل الكوفة .

''امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے (کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے)، البتہ بعض اہل علم تابعین وغیرہم سے مروی ہے کہ وہ اونٹ کے گوشت (کوکھانے) سے وضو (کا واجب ہونا) خیال نہیں کرتے تھے، یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا مذہب ہے۔''

(جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۸۱)

۲☆ امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ (جامع ترمذی تحت حدیث : ۸۱)

۳☆ امام ابوداوٗد (۲۰۲ ـ ۲۷۵) کی تبویب یوں ہے: **باب الوضوء من لحوم الابل .**

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا بیان۔'' (سنن أبی داوٗد : ۱۸٤)

۴☆ امام ابن ماجہ (۲۰۹ ـ ۲۷۳) رقمطراز ہیں: **باب ما جاء فی الوضوء من لحوم الابل .**

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کی روایات کا بیان۔'' (سنن ابن ماجه : ٤٩٤)

۵ ☆ امام الائمہ ابن خزیمہ (۲۲۳ ـ ۳۱۱) یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب الأمر بالوضوء من أكل لحوم الابل .

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم کا بیان۔'' (صحيح ابن خزيمه : ۲۷/۱ ، ح : ۳۱)

۶ ☆ امام ابن حبان (م ۳۵٤) لکھتے ہیں:

ذكر الأمر بالوضوء من أكل لحم الجزور ضدّ قول من نفىٰ عنه ذالك .

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم کا بیان، بخلاف اس شخص کے جو اس کی نفی کرتا ہے۔''

(صحيح ابن حبان : ۴۳۷/۳ ، ح : ۱۱۵٤)

۷ ☆ حافظ ابن حزم (م ٤٥٦) لکھتے ہیں:

وأكل لحوم الابل نيئة ومطبوخة أو مشويّة وهو يدرى أنّه لحم جمل أو ناقة فانّه ينقض الوضوء .

''اونٹ کا گوشت کھانا، خواہ کچا ہو یا پکا یا بھونا ہوا ہو، وضو توڑ دیتا ہے، بشرطیکہ کھانے والا جانتا ہو کہ یہ اونٹ یا اونٹنی کا گوشت ہے۔'' (المحلّی لابن حزم : ۲٤۱/۱)

۸ ☆ امام بیہقی (م ٤٥٨) کی تبویب حسبِ ذیل ہے: **باب التّوضّى من لحوم الابل .**

''اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا بیان۔'' (السنن الكبرٰى للبيهقى : ۱۵۹/۱)

نیز مخالفین کے بودے دلائل کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و بمثل هٰذا لا يترك ما ثبت عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

''اس جیسے (غیر معتبر دلائل) کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ حدیث کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔'' (السنن الكبرٰى للبيهقى : ۱۵۸/۱ ـ ۱۵۹)

۹ ☆ امام ابن المنذر (م ۳۱۸) فرماتے ہیں:

والوضوء من لحوم الابل يجب ، لثبوت هٰذين الحديثين وجودة اسنادهما .

''ان دونوں حدیثوں کے ثبوت اور ان کی سند کی عمدگی کی بناء پر اونٹ کا گوشت کھانے پر وضو واجب ہو جاتا ہے۔'' (الأوسط لابن المنذر : ۱ /۱۳۸)

۱۰ ☆ حافظ نووی لکھتے ہیں: **وهٰذا المذهب أقوى دليلاً .**

''یہ مذہب (کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے) دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔''

(شرح مسلم از نووی: ۱/ ۱۸۵)

تلك عشرة كاملة - ''یہ پوری دس گواہیاں ہیں۔''

مذہبِ احناف اور اس کے دلائل

قارئین کرام! آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرامین، صحابہ کے عمل اور محدثین کی تبویب و آراء اور فتاوٰی جات سے اندازہ لگا چکے ہیں کہ یہ مسئلہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، اس کے برعکس ہمارے تقلیدی بھائی اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کے قائل نہیں، ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں، حسبِ روایتِ سابقہ اس مسئلہ میں بھی وہ صحیح و صریح احادیث پر تاویلات کے وار کر کے اپنے مذہبِ شکستہ کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

فائدہ :

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

''امام نووی شرح مسلم (۱۵۸/۱) میں لکھتے ہیں: جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ لحوم ابل کے استعمال کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا اور لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ کا یہی مسلک تھا۔'' (خزائن السنن: ۱/ ۱٦٧)

صفدر صاحب کو ''جمہوریت'' کے اتنے شیدائی ہیں کہ اس سلسلے میں ذرا سا تأمّل بھی گوارا نہیں کرتے، ادھر کسی نے جمہور کا تذکرہ کیا، ادھر جھٹ سے صفدر صاحب نے لیا، حالانکہ اولاً اکثر اوقات فقہ حنفی کے مسائل جمہور کے منافی ہوتے ہیں، دفاعِ حدیث کے سلسلے میں ہم جو تحقیق پیش کرتے رہتے ہیں، اسی پر غور کرنے سے حقیقتِ حال منکشف ہو جاتی ہے، کئی مقامات پر جمہور تو درکنار، اجماع کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔

ثانیاً جمہور کی خلافِ سنت بات نہیں مانی جا سکتی، اسی لئے اہلحدیث کے ہاں مسائل میں جمہور کی موافقت ضروری نہیں، دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کا نام ہے، نہ کہ جمہور کی آراء کا، اگر ایک آدمی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کرتا ہے، تو اسی کی بات معتبر ہوگی، خود جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

فما علیٰ أبی حنيفة من ملام اذا كان متمسّكاً بالحديث الصّحيح أو الحسن ان خالفه النّاس فافهم ! '' ابوحنیفہ پر اس وقت کوئی ملامت نہیں بنتی جب وہ صحیح یا حسن حدیث پر عمل کریں، اگر چہ دوسرے

لوگ (محدثین) ان کی مخالفت ہی کریں، اس بات کو سمجھ لینا چاہیے۔'' (اعلاء السنن: ١/ ١٧٤)

ثالثاً غور کرنے سے پتا چلے گا کہ اس مسئلہ میں بھی جمہور موافقِ حدیث ہیں، حافظ نووی کی یہ بات صحیح نہیں کہ جمہور کے ہاں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز یہ کہ خلفاء اربعہ کا یہی مذہب تھا۔

احناف کو چاہیے کہ خلفائے اربعہ تو کجا، کسی ایک خلیفۂ راشد سے بھی باسندِ صحیح یہ بات ثابت نہیں کر دیں۔

هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين !

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأمّا من نقل عن الخلفاء الرّاشدين أو جمهور الصّحابة أنّهم لم يكونوا يتوضّئوون من لحوم الابل ، فقد غلط عليهم .

''تو جس آدمی نے خلفائے راشدین یا جمہور صحابہ کرام سے اونٹ کے گوشت سے وضو نہ کرنا نقل کیا ہے، اس نے ان کی طرف غلط بات منسوب کی ہے۔'' (القواعد النورانية :٩)

کاش کہ صفدر صاحب کچھ غور فرماتے۔

امام مالک اور امام شافعی سے بھی باسندِ صحیح یہ مذہب ثابت نہیں، اگر بعض الناس میں جرأت ہے تو آزمائیں، مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اس مذہب کو امام ابوحنیفہ سے بھی باسندِ صحیح ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے برعکس ہم نے ایک درجن سے زائد ائمہ اور محدثین سے باسندِ صحیح یہ ثابت کیا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کوئی ان کی سند پر اعتراض تو کرے!

دلیلِ احناف :

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

''امام نووی نے شرح مسلم (١٥٨/١) میں یہ دلیل دی ہے کہ ترک الوضوء ممّا مسّت النّار کی حدیث اس کی بھی ناسخ ہے، لیکن ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ لحومِ ابل والی روایت مخصوص ہے اور یہ عام ہے تو اس صورت میں نسخ مشکل ہے۔'' (خزائن السنن: ١/ ١٦٧)

تبصرہ :

یاد رہے کہ حافظ نووی نے یہ دلیل نہیں دی بلکہ لحومِ ابل سے وضو واجب قرار نہ دینے والوں سے نقل کی

ہے، کیونکہ وہ خود تو لکھتے ہیں کہ یہ دلیل بنتی ہی نہیں، کیونکہ وضو کرنے والی روایت خاص ہے اور عام الفاظ سے خاص کا نسخ مشکل ہے۔

پھر صفدر صاحب نے بھی لکھا ہے:

''لیکن جمہور کی طرف سے پیش کی گئی یہ دلیل صحیح معلوم نہیں ہوتی۔۔۔'' (خزائن السنن از صفدر :۱ /۱٦٧)

یہ بعض الناس کے دلائل کی کل کائنات تھی، جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا، اب جبکہ وہ دلیل سے عاری ہو گئے، تو انہیں اثباتِ وضو والی احادیث میں تاویلاتِ فاسدہ کر کے ان کا جواب دینے کی سوجھ گئی، آیئے ان کی تاویلات اور ان کے شافی و کافی جوابات ملاحظہ ہوں:

تاویل نمبر ۱ :

''مولانا عثمانی فتح الملہم (۱/۴۹۰) میں ان روایات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان حدیثوں میں وضو وجوب کے لئے نہیں، کیونکہ مجمع الزوائد (۱/۲۵۰) میں حضرت سمرۃ سوائی کی روایت آتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے کہا کہ **انّا أهل بادية و ماشية فهل نتوضّأ من لحوم الابل و ألبانها قال: نعم أو كما قال.** علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: **اسناده حسن ان شاء اللّٰه تعالیٰ .**

مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ البانِ ابل سے وضو کا لازم نہ ہونا سب کا اتفاقی مسئلہ ہے تو اسی طرح لحوم ابل کا بھی یہی حکم ہوا اور مبارکپوری تحفۃ الاحوذی (۱/۸۴) میں اور مولانا سہارنپوری بذل المجہود (۱/۱۱۲) میں لکھتے ہیں کہ البان ابل کے استعمال سے وضو کے نہ ہونے پر اجماعِ امت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۱۵۰) میں طبرانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: **مضمضوا من اللّبن ۔۔۔** تو جیسے ان روایتوں میں شربِ لبن کے بعد مضمضہ لازم اور ضروری نہیں صرف مستحب ہے، اسی طرح لحوم ابل کے بعد بھی ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔۔۔'' (خزائن السنن از صفدر : ۱/۱٦٨ ۔ ۱٦٩)

تبصرہ :

امام ابن حبان فرماتے ہیں: **ذكر البيان بأنّ الأمر با لوضوء ممّا مسّت النّار منسوخ خلا لحم الابل وحدها .** ''اس بات کا بیان کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضو کا حکم منسوخ ہے، سوائے اونٹ کے گوشت کے۔'' (صحیح ابن حبان : ۳/٤٣٧)

نیز لکھتے ہیں:

ذكر خبر قد يوهم غير المتبحّر في صناعة العلم أنّه ناسخ لأمره بالوضوء من لحوم الابل .

''اس حدیث (ترک الوضوء مما مست النار) کا بیان جو کہ علمی میدان میں ناقص آدمی کو یہ وہم دلاتی ہے کہ آپ کا اونٹ کے گوشت کو کھانے سے وضو کا حکم اس سے منسوخ ہو گیا ہے۔''

(صحیح ابن حبان: ۱ /٤١٤)

تبصرہ:

صفدر صاحب نے اپنے مولانا عثمانی کے حوالہ سے اور عثمانی صاحب نے خود استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لحوم الابل کے استعمال سے وضو مستحب ہے، واجب نہیں، حالانکہ:

۱☆ جس روایت کو بنیاد بنا کر صفدر صاحب اور عثمانی صاحب نے استدلال کیا ہے، وہ سخت ''ضعیف'' بلکہ ''موضوع'' (من گھڑت) درجے کی ہے، اس کا راوی سلیمان بن داوٗد الشاذ کونی جمہور کے نزدیک ''کذاب و متروک'' ہے۔

مزے کی بات تو یہ ہے کہ اس راوی کی ''تضعیف'' پر صفدر صاحب احسن الکلام (۲۰۴/۱) میں پورا زور صرف کر چکے ہیں، لیکن یہاں ان کا حافظہ جواب دے گیا اور اس کی روایت سے استدلال کر لیا، ایسے کذاب و متروک اور خبیث راویوں کی روایات سے استدلال مقلدین ہی کا خاصہ ہے۔

۲☆ دودھ پینے کے بعد کلی کے استحباب پر خارجی قرائن (راوی صحابی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلی نہ کرنا) کی وجہ سے اسے استحباب پر محمول کیا گیا ہے، جبکہ لحومِ ابل (اونٹ کا گوشت کھانے سے) سے وضو کے عدمِ وجوب کا کوئی قابلِ اعتبار قرینہ موجود نہیں۔

۳☆ محدثین کرام نے دودھ پینے کے بعد کلی کے استحباب کی صراحت کی ہے، جیسا کہ عثمانی صاحب نے خود لکھا ہے، جبکہ اس کے برعکس اونٹ کے گوشت کھانے پر محدثین نے وضو کو واجب قرار دیا ہے۔

دیکھیں امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، حافظ ابن حزم رحمہم اللہ وغیرہم کے اقوال و فتاوی جات، جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

انصاف شرط ہے کہ ایسے معاملے پر جسے بالاتفاق محدثین نے مستحب قرار دیا ہو، کسی ایسے معاملے کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے جسے محدثین نے واجب قرار دیا ہو؟

تنبیہ:

صفدر صاحب کا یہ کہنا کہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اونٹ کا دودھ پینے کے بعد کلی کے مستحب ہونے پر اجماع لکھا ہے، مطالعہ کے فقدان اور عدمِ احتیاط کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مبارکپوری رحمہ اللہ تو ایسا کہنے والے (سہارنپوری صاحب) کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله : هٰذا محمول عند جميع الأمة علىٰ شربها بأن يستحبّ له الخ مبنيّ علىٰ غفلته عن مذاهب الأمة ، قال ابن قدامة : وفي شرب لبن الابل روايتان ، أحداهما ينقض الوضوء ،

''سہارنپوری کا یہ کہنا کہ اونٹ کے دودھ سے کلی کا حکم ساری امت کے ہاں استحباب پر محمول ہے، یہ ان کی مذاہبِ امت سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ ابن قدامہ کہتے ہیں: اونٹ کا دودھ پینے میں بھی دو مذہب ہیں، ایک کے مطابق یہ وضو کو توڑ دیتا ہے۔ (تحفة الاحوذي : ١/ ٨٤)

تاویل نمبر ۲ :

جناب صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''اور خطابی معالم السنن (۱۳۶/۱) میں لکھتے ہیں کہ لحوم ابل کے استعمال کے بعد وضوء مستحب ہے یا وضو لغوی مراد ہے، یعنی غسل الیدین والفم۔'' (خزائن السنن : ١/ ١٦٩)

درس ترمذی (۳۰۰/۱) میں جناب تقی عثمانی اور اعلاء السنن (۱۷۷/۱) میں جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے بھی یہ بات کہی ہے۔

نیز امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں: **قد يجوز أن يكون الوضوء الّذي أراده النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم هو غسل اليد .** ہوسکتا ہے کہ جو وضو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراد لیا ہے، وہ لغوی وضو یعنی ہاتھوں کو دھونا ہو۔'' (شرح معاني الآثار : ١/ ٥٧)

تبصرہ:

۱☆ اس مسئلہ میں وضو کے لغوی ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: **انّ الوضوء اذا جاء في لسان الشّارع وجب حمله على الموضوع الشّرعي دون اللّغوي لأنّ الظّاهر منه أنّه انّما يتكلّم بموضوعاته .**

''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لفظِ وضو نکلے تو اسے لغوی معنیٰ کے بجائے شرعی معنیٰ پر محمول کرنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ آپ سے معروف یہی ہے، کہ آپ شرعی لفظ بولتے ہیں۔''

نیز لکھتے ہیں: ثمّ لابدّ من دلیل نصرّف به اللّفظ عن ظاهره ویجب أن یکون الدّلیل له من القوّة بقدر قوّة الظّاهر المتروکة وأقوی منها ولیس لهم دلیلٌ .

''پھر ضروری ہے کہ کوئی ایسی دلیل ہو جس کے ذریعے ہم لفظ کو اس کے ظاہری معنیٰ (شرعی معنی) سے ہٹا سکیں اور اس دلیل میں چھوڑے گئے ظاہر کے برابر بلکہ اس سے زیادہ قوت ہونا بھی ضروری ہے، جبکہ ان احناف کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں۔'' (المغنی لابن قدامه بحواله تحفة الأحوذی : ۸٤/۱)

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: فانّه لا یطلق الوضوء فی الشّرعیة الّا لوضوء الصّلاة فقط .

''شریعت میں لفظِ وضو صرف نماز کے وضو کے لئے بولا گیا ہے۔''

نیز لکھتے ہیں: ولو أنّ المعترض بهٰذا ینکر علیٰ نفسه القول بالوضوء من القهقة فی الصّلاة ولا یری فیها الوضوء فی غیر الصّلاة ، لکان أولیٰ به .

''ایسا اعتراض کرنے والا اگر خود قہقہے کی وجہ سے نماز میں وضو ٹوٹنے اور خارج نماز میں وضو نہ ٹوٹنے کو غلط قرار دیتا تو بہتر تھا۔'' (المحلّٰی لابن حزم : ۱/ ۲٤۲۔ ۲٤۳)

امام ابن حبان حدیث براء پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

ذکر الخبر الدّال علیٰ أنّ الأمر بالوضوء من أکل لحوم الابل ، انّما هو الوضوء المفروض للصّلاة دون غسل الیدین .

''اس بات پر دلالت کرنے والی حدیث کا بیان کہ اونٹ کے گوشت سے جس وضو کا حکم دیا گیا ہے، وہ نماز کے لئے فرض کیا گیا وضو ہے، نہ کہ دونوں ہاتھوں کو دھونا۔'' (صحیح ابن حبان : ۱/ ٤۱۰)

۲ ☆ اس موقع پر یہ لفظِ وضو دراصل سائل کے سوال کے جواب میں وارد ہوا ہے، کوئی وجہ ہی نہیں کہ یہاں یہ لفظ لغوی معنی میں ہو۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: انّه خرج جواباً لسؤال السّائل عن حکم الوضوء من لحومها والصّلوة فی مبارکها ، فلا یفهم من ذالک سوی الوضوء المراد للصّلوة .

''یہ لفظ اونٹوں کے گوشت سے وضو اور ان کے باڑوں میں نماز کے متعلق ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے وارد ہوا ہے، لہٰذا اس سے نماز والے وضو کے علاوہ کچھ مراد نہیں لیا جا سکتا۔''

(المغنی لابن قدامه بحواله تحفة الأحوذی : ۸٤/۱)

کیا سائل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لغوی وضو کے بارے میں سوال کیا تھا، نیز اگر صرف ہاتھ

دھوناہی مراد ہوتا،تو اس میں پوچھنے والی کون سی بات تھی؟

۳☆ اگر یہاں وضو سے ہاتھ دھونا مراد لیں،تو پھر سوال ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری اور اونٹ میں فرق کیوں کیا؟ نیز وضو اور نماز کا اکٹھا سوال اور اکٹھا جواب بھی اس تاویل کا ردّ نہیں کرتا؟

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: **انّه لو أراد غسل اليد لما فرّق بينه وبين الغنم فانّ غسل اليد منها مستحبّ ولهٰذا قال من بات وفي يده ريح غمر فأصابه شئ فلا يلومنّ الّا نفسه وما ذكروه من زيادة الزّهومة فأمر يسير لا يقتضي التفريق .**

''اگر آپ کی مراد ہاتھ دھونا ہوتی،تو پھر آپ اونٹ اور بکری کے گوشت میں فرق نہ کرتے،کیونکہ ہاتھ دھونا تو بکری کا گوشت استعمال کرنے کے بعد بھی مستحب ہے،اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ میں رات کے وقت گوشت کی بو موجود ہو اور اسے کوئی موذی چیز نقصان پہنچا دے،تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے،رہا احناف کا یہ کہنا کہ اونٹ کے گوشت میں تعفّن زیادہ ہوتا ہے،تو یہ ایسا معاملہ نہیں جو فرق کا سبب بن جائے۔(المغني لابن قدامه بحواله تحفة الأحوذي : ۸٤/۱)

امام ابن حبان فرماتے ہیں: **في سؤال السّائل عن الوضوء من لحوم الابل و عن الصّلوة في أعطانها ، و تفريق النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بين الجوابين ، أرى البيان أنّه أراد الوضوء المفروض للصّلوة ، دون غسل اليدين ، ولو كان ذالک غسل اليدين من الغمر لاستوى فيه لحوم الابل والغنم جميعا .**

''سائل کا اونٹ کے گوشت سے وضو کرنے اور ان کے باڑوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دونوں سوالوں کا الگ الگ جواب،واضح دلیل ہے کہ آپ کی مراد نماز والا وضو ہے نہ کہ صرف دونوں ہاتھوں لینا،اگر یہاں مراد ہاتھوں کو گوشت کی بد بو کے سبب سے دھونا ہوتا،تو اس میں اونٹ اور بکری کا گوشت برابر ہوتا۔'' (صحيح ابن حبان : ۱/ ٤١١)

کچھ آثار جو اس بارے آئے ہیں،اس کا تجزیہ حسبِ ذیل ہے:

یحییٰ بن قیس کہتے ہیں: **رأيت ابن عمر أكل لحوم جزور وشرب لبن ابل وصلّى ولم يتوضّأ .**

''میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا،آپ نے اونٹ کا گوشت کھایا اور دودھ پیا،پھر نماز پڑھی،لیکن وضو نہیں کیا۔''(مصنف ابن أبي شيبة : ٤٦/١)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، یحییٰ بن قیس الطائفی کی ابنِ حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی، لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے اونٹ کا گوشت کھایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی، لیکن وضو نہیں کیا۔(مصنف ابن أبی شیبة : ٤٦/١)

تبصرہ :

اس اثر کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

١☆ اس میں جابر جعفی ''ضعیف، رافضی'' ہے۔(التقریب : ٨٧٨)

٢☆ سفیان ''مدلس'' ہیں۔

٣☆ ابو سبرہ النخعی ''مقبول'' (مجہول الحال) ہے۔(التقریب : ٨١١٤)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے اونٹ کا گوشت کھا کر نماز پڑھی، لیکن وضو نہیں کیا۔(مصنف ابن أبی شیبة : ٤٦/١)

تبصرہ :

یہ اثر بھی سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں :

١☆ جابر الجعفی ''ضعیف، رافضی'' ہے۔(التقریب : ٨٧٨)

٢☆ شریک القاضی ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔

فائدہ :

نفاعہ بن مسلم کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ تابعی نے اونٹ کا گوشت کھایا، پھر نماز پڑھی، لیکن وضو نہیں کیا۔

(مصنف ابن أبی شیبة : ٤٦/١، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ :

یہ نہ قرآن ہے نہ حدیث نہ قولِ صحابی، بلکہ ایک مسلمان کا اجتہاد ہے، جو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہے۔

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اونٹ، گائے اور بکری کا گوشت کھانے پر وضو نہیں۔

(مصنف ابن أبی شیبة : ٤٦/١)

تبصرہ :

یہ نہ قرآن ہے نہ حدیث نہ قولِ صحابی نہ قولِ ابی حنیفہ، جو صحیح احادیث، عملِ صحابہ اور جمہور ائمہ محدثین کی تصریحات کے متصادم ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ احادیثِ رسول میں واضح طور پر اونٹ کا گوشت استعمال کرنے سے وضو کا حکم دیا گیا ہے، صحابہ کرام اس کی تصریح کر رہے ہیں، محدثین کرام ببانگ دہل اس کا اعلان کر رہے ہیں اور مخالفین کا بھرپور ردّ فرما رہے ہیں، اس کے خلاف کوئی دلیل بھی نہیں، لیکن اس کے باوجود مقلدین اس کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں اور احادیثِ رسول میں طرح طرح کی تاویلاتِ باطلہ کرنے پر اتر آئے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی، تو تقلید کا پٹا اتار کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیتے، لیکن ماننے کے بجائے انہوں نے اپنے مقلد ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

قارئین! انصاف کریں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت ؟؟؟

سالانہ عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس

بمقام: مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بلکسر، ضلع چکوال۔

بتاریخ: ۲۲ مارچ، بروز اتوار، بعداز نمازِ مغرب، ان شاء اللہ!

مقررین

عبدالعلیم یزدانی آف جھنگ زبیر احمد ظہیر لاہور

سیف اللہ خالد ملتانی

ناظم کانفرنس: ڈاکٹر عبدالقدیر بلکسر، ضلع چکوال

نوٹ :

اس خالص دعوتی اور اصلاحی پروگرام میں آپ کو مع رفقاء شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، شرکت فرما کر مسلکی غیرت اور دینی حمیت کا بھرپور مظاہرہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

منجانب : حافظ محمد زکریا شاہد اعوان، خطیب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بلکسر، چکوال

قارئین کے سوالات   غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال ① : حدیث **أصحابی کالنّجوم ، بأیّھم اقتدیتم اھتدیتم** بلحاظِ سند کیسی ہے؟

جواب: **أصحابی کالنّجوم ، بأیّھم اقتدیتم اھتدیتم** ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے، ہدایت پا جاؤ گے۔''

یہ حدیث سخت ترین ''ضعیف'' ہے، اس کی ساری کی ساری سندیں ''ضعیف'' ہیں۔

☆۱ حدیثِ جابر :

(المؤتلف للدارقطنی : ١٧٧٨/٤، جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر : ١٧٦٠)

تبصرہ :

اس کی سند ''ضعیف وساقط'' ہے، کیونکہ:

(ا) اس میں اعمش بن سلیمان ''مدلس'' ہیں ، جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں ، نیز اعمش کا ابو سفیان سے سماع بھی نہیں ہے۔

(ب) اس کا راوی سلام بن سلیمان المدائنی ''ضعیف'' ہے۔(تقریب التهذیب لابن حجر : ٢٧٠٤)

(ج) امام عبدالبر نے اس کے راوی الحارث بن غصین کو ''مجہول'' کہا ہے۔

دوسری سند : (غرائب مالك للدارقطنی ، عن جمیل بن زید عن مالك عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر)

حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں: **وجمیل لا یعرف ، ولا اصل له فی حدیث مالک ولا من فوقه .**

''جمیل مجہول ہے، اس حدیث کی مالک اور اس سے اوپر والے راویوں سے کوئی حقیقت نہیں۔''

(التلخیص الحبیر : ١٩٠/٤)

☆۲ حدیث عمر : (الکامل لابن عدی :٣ /١٠٥٧، المدخل للبیهقی:١٥١، الکفایة للخطیب: ٩٥۔٩٦)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

(ا) اس میں عبدالرحیم بن زید العمی راوی ''متروک'' ہے، اس کو امام یحییٰ بن معین نے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔(التقریب : ٤٠٥٥)

(ب) اس کا باپ زید العمی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، اس کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

ضعفه الجمهور . ''جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۱۰/ ۱۱۰)

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں: **ضعیف عند الجمهور .** ''جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔'' (نتائج الافکار: ۲۵۳)

۳☆ حدیث ابنِ عمر :

مثل أصحابی مثل النّجوم ، یهتدٰی بها ، فبأیّهم أخذتم بقوله اهتدیتم . (مسند عبد بن حمید : ۷۸۳)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، اس کا راوی حمزہ بن ابی حمزہ الجزری ''متروک، متہم بالوضع'' ہے۔

(التقریب : ۱۵۱۹)

٤☆ حدیثِ أبی هریرہ :

مثل أصحابی مثل النّجوم ، من اقتدٰی ....اهتدٰی . (مسند القضاعی : ۱۳٤٦)

تبصرہ :

۱☆ اس کی سند میں جعفر بن عبد الواحد الہاشمی راوی ''کذاب'' ہے۔ (التلخیص الحبیر : ٤/ ۱۹۱)

حافظ ذہبی کہتے ہیں: **هٰذا الحدیث من بلایا جعفر بن عبد الواحد .** ''یہ حدیث جعفر بن عبد الواحد کی مصیبتوں میں سے ہے۔'' (میزان الاعتدال : ۱/ ٤۱۳)

۲☆ اس میں اعمش کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

۵☆ حدیثِ ابنِ عباس :

انّ أصحابی بمنزلة النّجوم فی السّماء ، فأیّها أخذتم به اهتدیتم ، واختلاف أصحابی لکم رحمةٌ . ''میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں، جس کا دامن پکڑ لوگے، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے۔'' (المدخل للبیهقی : ۱۵۲، الکفایة للخطیب ، ص: ۹۵)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱☆ اس کے راوی سلیمان بن ابی کریمہ کو جمہور نے ''ضعیف'' کہا ہے،

نوٹ : السّنة لأبی ذر الهروی میں مندل بن علی العنزی (ضعیف عند الجمہور) نے اس کی متابعت کر

رکھی۔(التلخیص: ٤/ ١٩١)

٢☆ اس کا راوی جو یبر بن سعید الازدی سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔

٣☆ الضحاک بن مزاحم نے عبداللہ بن عباس سے سماع نہیں کیا۔(اتحاف المهرة لابن حجر: ٧/ ٢٤٨)

٦☆ حدیثِ جواب بن عبیداللہ :

انّ مثل أصحابی کمثل النّجوم هٰهنا وهٰهنا ، من أخذ بنجم منها اهتدٰی أو بأیّ قول أصحابی أخذتم فقد اهتدیتم .(المدخل للبیهقی: ١٥٣)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں وہی جو یبر راوی ہے، جس کو امام نسائی(الکامل لابن عدی: ٢/ ١٢١) اور امام دارقطنی(الضعفاء والمتروکین: ١٤٧) وغیرہ نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔

اس کے بارے میں حافظ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هٰذا حدیث متنه مشهور وأسانیده ضعیفةٌ ، لم یثبت فی هٰذا اسنادٌ .

حافظ ابنِ حجر اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں: **هٰذا مرسلٌ أو معضلٌ**.(تخریج احادیث المختصرة: ١/ ١٤٦)

٧☆ حدیثِ انس :

مثل أصحابی مثل النّجوم یهتدٰی بها،فاذا غابت تحیّروا.(مسند بن ابی عمر(المطالب لابن حجر:٤١٥٦)

تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

١☆ اس میں زید العمی راوی ہے، جس کا حال بیان ہو چکا ہے۔

٢☆ یزید الرقاشی راوی ''ضعیف'' ہے۔(التقریب: ٧٦٨٣) اس کو امام نسائی اور امام حاکم نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔(تهذیب التهذیب: ١١/ ٢٧٠)

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: **ضعّفه الجمهور**. ''جمہور نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد: ١/ ١٠٥)

٣☆ اس میں سلام بن سلیم الطّویل ''متروک'' ہے۔(التقریب: ٢٧٠٢)

حافظ ابنِ حجر نے اس کی سند کو ''ضعیف'' کہا ہے۔(المطالب العالیة لابن حجر: ٤/ ١٤٦)

الحاصل : یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔

فائدہ :

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سرمبارک اٹھایا اور آپ بکثرت آسمان کی طرف سرمبارک اٹھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

النّجوم أمنة للسّماء ، فاذا ذهبت النّجوم أتى السّماء ما توعد ، وأنا أمنة لأصحابى ، فاذا ذهبت أنا أتى أصحابى ما يوعدون ، وأصحابى أمنة لأمّتى ، فاذا ذهب أصحابى أتى أمّتى ما يوعدون .

''ستارے آسمان کی حفاظت کا سامان ہیں، جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ (آفت) آ جائے گی، جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے، میں اپنے صحابہ کے لیے حفاظت کا سامان ہوں، جب میں (دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ (فتنے) آئیں گے، جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، میرے صحابہ میری امت کے لیے حفاظت کا سامان ہیں، جب میرے صحابہ (دنیا سے) چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ (فتنے) آجائیں گے، جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' (صحیح مسلم : ۲۵۳۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو يؤدّى صحّة التّشبيه للصّحابة بالنّجوم خاصّة ، امّا فى الاقتداء ، فلا يظهر من حديث أبى موسىٰ .

''یہ حدیث صحابہ کو ستاروں سے صرف تشبیہ دینے کو صحیح قرار دیتی ہے، رہا (کسی ایک صحابی کی) اقتدا کا معاملہ، تو وہ ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔'' (تلخيص المستدرك : ١٩٧/٤)

سوال ③ : رنگ دار اور پھول دار قالین پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: رنگ دار اور پھول دار قالین پر نماز پڑھنا درست اور صحیح ہے، اس پر دلیل یہ ہے:

قال الامام ابن أبى عاصم فى كتاب اللّباس : حدّثنا أبو يحيىٰ محمّد بن عبد الرّحيم : حدّثنا روح بن عبادة : حدّثنا شعبة عن الشّيبانىّ عن عبد اللّٰه بن شدّاد عن ميمونة ، قالت : كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يصلّى على الخمرة ، وفيها تصاوير .

''سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی پتیوں سے بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے، اس پر (بے جان چیزوں کی) تصویریں تھیں۔'' (سير أعلام النبلاء للذهبى : ٤٠٧/٨، وسندهٗ صحيح)

تنبیه نمبر ۱:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها ، فقال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم : أميطي عنّا قرامک هٰذا ، فانّه لا تزال تصاويره تعرض لي في صلاتي .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک زیبائشی چادر (برائے پردہ) تھی، جو انہوں نے اپنے گھر کے ایک طرف لٹکا رکھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی زیبائشی چادر کو ہمارے سامنے سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے (آ کر) نماز میں خلل اندازی اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔''

(صحیح بخاری: ۳۷٤)

شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

ودلّ الحديث علىٰ أنّ الصّلاة لا تفسد بذٰلک لأنّه صلّى الله عليه وسلّم لم يقطعها ولم يعدها . ''یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اس طرح (ایسے کپڑے پر جس پر نقش وغیرہ بنے ہوں، کو سامنے لٹکا کر یا اس پر نماز پڑھنے سے) نماز فاسد نہیں ہوتی، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نماز ختم کی ہے، نہ ہی اس کو دوبارہ پڑھا ہے۔'' (فتح الباری: ۱/ ٤٨٤)

صحیح مسلم (۵۵۶) میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نقش دار چادر تھی، (جو آپ کو ابوجہم صحابی نے تحفہ میں دی تھی) **فكان يتشاغل بها في الصّلاة** جس کی وجہ سے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، آپ نے وہ چادر ابوجہم کو واپس دے دی اور اس سے بغیر نقوش کے اونی چادر لے لی۔

صحیح بخاری (۳۷۳) اور صحیح مسلم (۵۵۶) کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

فانّها ألهتني عن صلاتي . ''اس (نقش دار چادر) نے مجھے میری نماز سے غافل اور مشغول کر دیا۔''

ایک روایت میں ہے: **فانّي نظرت الىٰ علَمِها في الصّلاة ، فكاد يفتنني .**

''میں نے نماز میں اس چادر کی دھاریوں کی طرف دیکھا، قریب تھا کہ یہ مجھے فتنے میں مبتلا کر دیتیں۔''

(مؤطا امام مالک: ٦٨، وسندہٗ حسن)

ام علقمہ مرجانہ ''صدوقۃ حسنۃ الحدیث'' ہیں، امام عجلی اور امام ابنِ حبان وغیرہ نے ان کو ''ثقہ'' کہا ہے۔

ثابت ہوا کہ ہر وہ نقش دار چیز جو نماز میں غفلت کا باعث بنے، توجہ میں خلل انداز ہو، اس پر نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے، بصورتِ دیگر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

تنبیہ نمبر ۲:

سفینہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ٹھہرا، آپ نے اس کے لیے کھانا تیار کیا، سیدہ فاطمہ نے کہا، اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دیتے اور آپ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرماتے تو بہتر تھا، انہوں نے آپ کو دعوت دی، آپ تشریف لائے، آپ نے دروازے کی چوکھٹ کی دو طرفوں پر ہاتھ مبارک رکھا تو دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں زیبائشی پردے آویزاں کیے گئے ہیں، آپ واپس لوٹ گئے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا، دیکھیں کہ کس چیز نے آپ کو واپس لوٹا دیا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں، میں آپ کے پیچھے گیا، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کس چیز نے آپ کو واپس لوٹا دیا، آپ نے فرمایا:

انّه ليس لی أو لنبیّ أن يدخل بيتاً مزوقا .

''میرے لیے یا کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ ایسے گھر میں داخل ہو، جس میں زیبائشی پردے ہوں۔''

(مسند الامام أحمد : ٥ /٢٢٠_٢٢١_٢٢٢، ٥ /٢٢٢، سنن أبی داوٗد : ٣٧٥٥، سنن ابن ماجه : ٣٣٦٠، مسند اسحاق : ٢١١٢، شعب الايمان للبيهقی : ٢٤٨، وسندهٗ صحيح)

امام ابنِ حبان (٦٣٥٤) نے اس حدیث کو ''صحیح'' اور امام حاکم (١٨٢/٢) نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے

گھر میں زیبائشی پردے لٹکانا خلافِ اولیٰ ہے، اجتناب بہتر ہے، واضح رہے کہ جس پردے پر جاندار کی تصویر ہو، وہ گھر میں لٹکانا ناجائز ہے۔

تنبیہ نمبر ۳:

شریح بن ہانی نے سیدہ عائشہ سے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز پڑھتے تھے؟ میں نے اللہ کی کتاب میں سنا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾(بنی اسرائيل : ٨)

''جہنم کافروں کے لیے جیل خانہ ہے۔'' اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز نہیں پڑھی۔(مسند أبی يعلیٰ الموصلی : ٤٤٤٨، المقصد العلی : ٣٤٢، مصنف ابن أبی شيبة : (المطالب العالية : ١/ ٣٤٥) وسندهٗ حسن)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **رجاله موثّقون .** ''اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔''(مجمع الزّوائد : ٢/ ٥٧)

عدمِ رؤیت وعلم عدمِ وجود وثبوت کو مستلزم نہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی معلومات کا اظہار فرمایا ہے، جبکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چٹائی پر نماز پڑھنا ثابت ہے۔(صحيح مسلم)